۲۵
۷۷

کتابخانه مجلس شورای ملی

کتاب کوثر و تسنیم

مؤلف

موضوع

شمارهٔ قفسه

شماره ثبت کتاب

۸۰۴۴۶

۵۷۷

کتابخانه مجلس شورای ملی
کتاب کوثر و تسنیم
مؤلف
موضوع
شمارهٔ قفسه
شماره ثبت کتاب
۸۰۲۴۶
۲۵
۵۷۷

کوثر و تسنیم

تقدس مآب نرمل

٢٥
٧

کوثر و تسنیم

٥١٦
ک

٨٠٣٤٦
ہمیشہ
س د

تقدّس مآب نہرؔل

پبلشر :-

شیام چیتنیہ

ویدانت سوسائٹی "ویدانت نکیتن" - وی مال - امرت سر

پرنٹر :-

لالہ رام ناتھ

راما آرٹ پریس - سنتوکھ سر - امرت سر

بار اوّل :-

جنوری ۱۹۵۸ء

عہ

ملنے کا پتہ :-

۱- "ویدانت نکیتن" - دی مال - امرت سر

۲- ماہ نامہ "اوم" اردو - اجمیری گیٹ - دِلّی

۳- ہفت روزہ "بجرنگ" اردو - امرت سر

۴- "گیان مندر" - بسی کلاں - (ہوشیار پور)

25
27

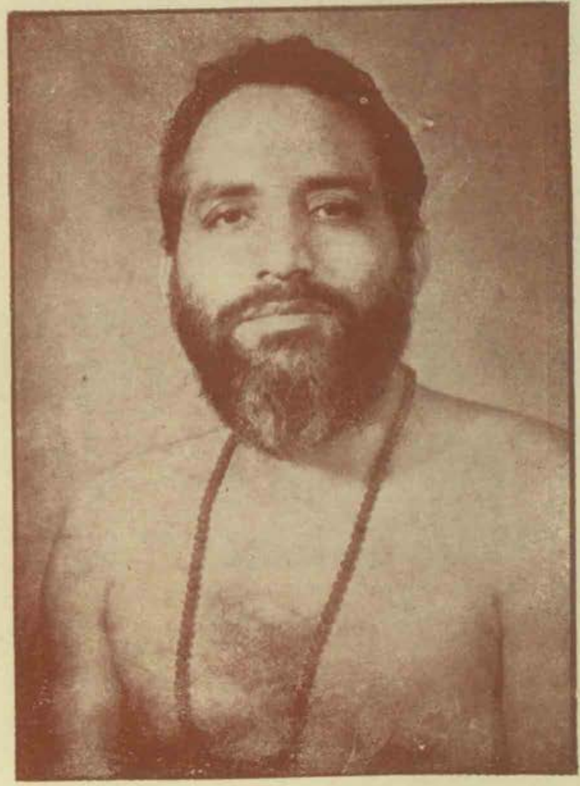

یہ دَیر و حرم تو نہیں منزل تیری نرمل۔
منزل تیری آگے ہے۔ تو منزل کی طرف دیکھ

پیش کش

مبارک سال نو اے تشنہ کارانِ ادب! تم کو
تمھارے واسطے میں کوثر و تسنیم لایا ہوں

۱۔۱۔۵۸

نرمل

25
7

ترتیب

پیش گفت ۲

تعارف ۵

مقدمہ ۸

شری شیش کی نظر میں ۱۶

غزل:- ۱۷

رنگ گُل کا ہو یا رس کلی کا ۱۸

آپ رُخ سے اُٹھایئے نہ نقاب ۲۰

خُلد پہ دستِ رس کی بات نہ کر ۲۲

حُسن سے مانگتا ہے جلوے کی بھیک ۲۴

بے زار ہو چکے ہیں بہت ناخدا سے ہم ۲۶

بادۂ پُر سرُور پیتے ہیں ۲۸

دِل ہے سُونا اس میں یاس و غم نہیں ۳۰

سر زمانے کو کر گیا ہُوں میں ۳۲

معترف ہُوں زمانہ ساز نہیں ۳۴

نظر آتا ہے جوشِ چشمِ تر سے ۳۶

اے آہ! مرے دل کی لگی کو وہ ہوا دے ۳۸

۲۵
۷

آئی ٹھنڈی ہوا مدینے سے ۴۰

یا بھول کر بھی شوقِ محبت نہ کیجئے ۴۲

—— ۴ شعر —— ۴۴

نظم :- ۴۵

کنارِ جمن ۴۶

نشاطِ دہر ۴۷

شکستِ سکوت ۴۸

شہیدانِ غدر ۵۰

سپاہی کا جواب ۵۲

درسِ عمل ۵۴

ساقی! ۵۵

پہلی جنگِ آزادی کے جاں باز ۵۶

تو کہاں ہے؟ ۵۸

ایک سوال؟ ۶۰

رباعی :- ۶۱

قطعہ :- ۶۷

گیت ۷۳

دوسری کتابیں ۸۰

تعارف

پریم ہنس نرمل کی ہستی اب محتاجِ تعارف تو نہیں اور ان سطور کی ضرورت بھی نہیں ــــ لیکن یہ رسم اس لئے ضروری سمجھی گئی ہے کہ اِس شاعرِ اعظم کے ابتدائی حالات پردۂ تاریکی میں نہ رہ جائیں۔ اکثر متقدمین اور متاخرین کے معاملہ میں ایسا ہی ہُوا ہے اور اب تک اِس سلسلہ میں ان پر کچھ روشنی نہیں پڑتی!

اِس مقدّس شخصیت کا ظہور ۱۰ر جنوری ۱۹۱۹ء کو بچّی وِنڈ میں ہُوا جو ضلع امرت سر کا ایک دُور اُفتادہ گاؤں ہے۔ سوامی جی کے والدِ محترم شری کرشن چندر اپنے علاقے کے ایک معزّز ہندو گھرانے کے ممتاز فرد تھے۔ نرمل جی کی والدہ محترمہ رادھاجی کی حیات افروز لوریاں ان کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کی اوّلین درس گاہ تھیں ۔

۹ سال کی عُمر تک، حضرتِ نرمل نے لاہور چھاؤنی کے ایک مکتب میں اُردو کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر سنسکرت کی ابجد شری شِوّدیال جی سے سیکھی۔ اِس کے بعد سنسکرت کالج شاہ عالمی

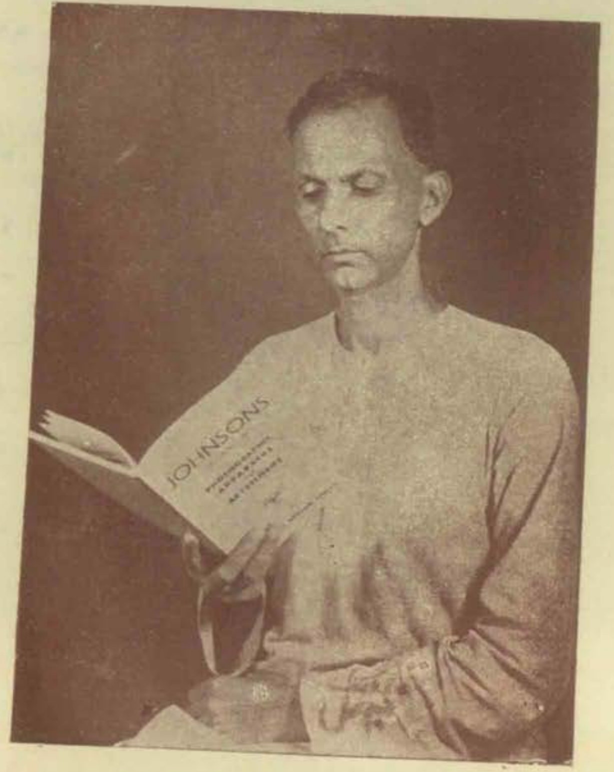

AMAR CHAND QAIS

دروازہ لاہور میں داخل ہوکر "کومدی" اور "پنچ تنتر" وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ لیکن یہ سلسلۂ درس و تدریس بھی دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ صرف ۵ سال بعد تلاشِ حق کا جذبہ اس حد تک غالب ہوا کہ کالج کو خیرباد کہہ گئے۔

نرمل صاحب کا حقیقت شناس دل زمانے کے تغیّر و تلوّن اور دنیا کی بے ثباتی سے اِس حد تک متاثر ہوا کہ اٹھارہ سال ہی کی عُمر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ کچھ مدّت تک بہ مقام قلعہ "مدتی پربھاکر" "وچار ساگر" اور ویدانت کے دُوسرے گرنتھوں کا مطالعہ ورکت شرومنی سوامی شنکر آنند جی مہاراج کے قدموں میں بیٹھ کر کیا۔ اسی زمانے میں وجد کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ مدتوں ایک عالمِ محویت و استغراق رہا۔

سوامی جی کے دادا شری نہال چند مشہور مقدّس گرنتھ "یوگ وششٹ" کے بلند پایہ عالم اور مستند مفسّر تھے۔ ریاضت شاقہ اُن کا واحد محبوب مشغلہ تھا۔ خانہ داری کی زندگی سے انہیں کوئی دل چسپی نہ تھی۔ بل کہ اس سے متنفّر تھے۔ لیکن پوجیہ گورو دیو کے بار بار اصرار پر مجبوراً انہوں نے شادی کر لی۔ اُن کے ایک فرزند شری راما نند جی مہاراج ترکِ دُنیا کر کے خلوت گزیں ہو گئے۔ حضرتِ نرمل نے اُنہیں کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور رُوح کی انتہائی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو گئے۔

پرم ہنس نرمل اپنے نیازمندوں کے لگاتار تقاضوں کو پہلے

پہل تو ٹالتے رہے۔ لیکن آخرِ کار "ویدانت نکیتن" امرتسر میں پند و نصائح اور وعظ کی بنیاد (سن ۱۹۵۰ء) رکھ دی۔ آپ کے لُطف و کرم کا یہ چشمہ آج بھی رواں ہے اور دل دادگانِ معرفت کی رُوحانی تشنگی کی تسکین کا سامان دریا دلی سے بہم پہنچاتا ہے۔

"ویدانت نکیتن" عام طور پر جنابِ نرمل کی قیام گاہ ہے۔ مگر ان کے رُوح پرور نغموں اور بصیرت افروز تقریروں سے ہندوستان بھر کی فضائیں گونجتی رہتی ہیں۔

روزانہ "ست سنگ" کے علاوہ ہر سال دیوالی کی تقریب پر "ویدانت نکیتن" میں آل انڈیا ویدانت کانفرنس بھی سوامی جی کی رہ نمائی میں منعقد ہوتی ہے۔ ہندوستان اور ممالکِ غیر کے برگزیدہ سنت۔ مہاتما اور سرکردہ ویدانتی اس میں شرکت فرماتے ہیں۔ ان روحانی سرگرمیوں نے "ویدانت نکیتن" کو عالم گیر اہمیت دے دی ہے اور یہ ایک مقدّس تیرتھ بن گیا ہے۔

نرمل جی نے ایسا ہی ایک آشرم سلوہ (کانگڑہ) میں بھی تعمیر کیا تھا۔ جب موسمِ گرما میں سوامی جی وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ تو ان کا چشمۂ فیض وعظ و عمل کی صُورت میں جاری ہو جاتا ہے۔

قیس

مقدمہ

تقدّس مآب حضرت بزمل کا یہ تیسرا مجموعۂ کلام ہے جو "کوثر و تسنیم" کے نام سے شائع ہو رہا ہے ؂

پہلا مجموعۂ کلام "صہبائے ناب" صرف غزلیات پر مشتمل تھا۔ سال بھر کے وقفے میں اسے دُوسری بار شائع کرنا پڑا۔ جو اِس کی مقبولیت کی دلیل ہے ؂

دُوسرا مجموعۂ کلام "آبِ گنگ" گزشتہ دیوالی کی تقریب پر پیش کیا گیا تھا۔ اِس میں غزل کے علاوہ دُوسرے اصنافِ سخن، نظم۔ رباعی۔ قطعہ۔ گیت وغیرہ بھی شامل تھے۔ یہ اِس امر کا ثبوت ہے کہ جناب بزمل کو ہر صنفِ سخن پر عبور حاصل ہے اور وہ ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں ؂

سوامی جی کی غزل کے متعلق اُن کے دونوں پہلے مجموعوں میں مختصر طور پر اظہارِ خیال کیا جا چکا ہے۔ پھر بھی اِس پر تھوڑی سی روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی ؂

اگرچہ ہر صنفِ سخن کا ایک الگ مقام ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ غزل صدیوں سے فارسی اور اردو شاعری پر چھائی رہی ہے۔ غزل نے اردو شاعری میں اعجازِ تاثیر اتنا نمایاں کیا ہے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ خود ہی اعجاز

بن گئی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ تاثیر شعریت کی جان ہے۔ اِس کے بغیر کوئی بھی شعر ایک بے جان لاش ہوگا۔ جنابِ بزمل ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

دیکھ تاثیرِ شعر اے بزمل! علم پردست رس کی بات نہ کر

"کوثر و تسنیم" کی غزلیں تاثیر معمور ہیں۔ اِن کی خصوصیات میں فصاحت بھی ہے۔ بلاغت بھی۔ دیکھئے ؎

یا بھُول کر بھی شوقِ محبت نہ کیجئے
یا حُسن کے ستم کی شکایت نہ کیجئے

اِس مطلعے میں ردیف و قافیہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ۔ دو برابر کے ٹکڑے دونوں طرف رکھ دینے سے ایک عام مضمون کتنا دِل کش ہو گیا ہے۔ اِس کی داد ذوقِ سلیم ہی دے سکتا ہے ؂

جورِ حُسن کو شوقِ محبّت کا لازمی انجام قرار دے کر انتخاب کا حق دے دینا۔ اِس مضمون کا بہترین اسلوبِ بیاں ہے۔ دونوں طرف برابر کے ٹکڑوں والے شعر یا مطلعے غور و فکر سے تخلیق نہیں کیئے جا سکتے۔ کسی کے کلام سے "بے ساختگی" یا "آمد" کی مثالیں دیتے وقت نگاہِ انتخاب سب سے پہلے ایسے ہی شعروں اور مطلعوں پر پڑا کرتی ہے ؂

ایک اور مطلع ملاحظہ ہو ؎

نظر آتا ہے جوشِ چشمِ تر سے   کہ پانی اب گزر جائے گا سر سے

یہ مطلع مناسبتِ الفاظ اور حُسنِ بیان کا نادر نمونہ ہے۔ دُوسرے مصرعے میں محاورے کی بے ساختگی کی داد نہیں دی جا سکتی۔ الفاظ ہیں کہ نگینے جڑ دیئے گئے ہیں۔ "چشمِ تر" اور اس کے "جوش" کی مناسبت نے محاورے کے محلِ استعمال کو نہایت زور دار کر دیا ہے۔ پہلے مصرعے میں "نظر آتا ہے" کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔ اس مطلع میں ایک خوب صُورت محاورہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ موجود ہے جو شاعر کی قوتِ استدلال پر دال ہے ٭

لیجیئے ایک ہی غزل کے یہ اشعار بھی دیکھیئے ؎

گو سر کے بل ہی چلنا پڑے راہِ عشق میں   ہرگز تمیزِ پستی و رفعت نہ کیجیئے
تکتے ہیں راہ آپ کی کچھ اور بھی ادھر   گلشن کے خار و خس پہ قناعت نہ کیجیئے
اظہارِ حال شیوۂ اہلِ رضا نہیں   اظہارِ حال کی کبھی جرأت نہ کیجیئے

اس زمین میں مندرجہ بالا تینوں شعر قابلِ داد ہیں ٭

پہلے شعر میں "سر کے بل چلنے" کے ساتھ "پستی و رفعت کی تمیز نہ کیجیئے" کہہ کر حُسنِ بیان کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس مفہوم کو کہ عشق میں ہر پیش پا مرحلہ کو اندھا دھندھ طے کر لینا چاہیئے۔ نیک و بد اُونچ نیچ۔ سُود و زیاں کا خیال نہیں کرنا چاہیئے خواہ جان و دل ہی پر کیوں نہ آ بنے۔ جس لطیف پیرائے میں کہا گیا ہے۔ قابلِ داد ہے۔ اس لحاظ سے مصرعِ ثانی پر موجودہ مصرعے سے بہتر

پہلا مصرع لگانا نہایت محال ہے ٭

دُوسرے شعر میں پست ہمتی کے خلاف بہت کچھ نہ کہنے کے باوجود سب کچھ کہہ دیا گیا۔ گلشن کے خار و خس پہ قناعت کر جانے والے کی پست ہمتی پر طعن کا یہ مدحیہ پہلُو اندازِ بیاں کی خوب صُورتی پر دال ہے ٭

تیسرے شعر میں اگرچہ ایک عام اور سامنے کی بات کہی گئی ہے۔ پھر بھی اندازِ بیاں کی ندرت نے شعر میں عجیب دِل کشی پیدا کر دی ہے ٭

اب صرف ایک اور شعر ؎

بے جھجک گھونٹ گھونٹ پیتا ہوں   مثلِ زاہد میں جلد باز نہیں

طنز طنز میں سب حقیقت کہہ دی گئی ہے۔ جو چھُپ کے پینے کا عادی ہو یا دُوسرے معنوں میں کھُلے بندوں کسی محفل میں بیٹھ کر پینے کا عادی نہ ہو۔ اُس کو ایسے موقعوں پر کسی کے دیکھ لینے کا خوف اِتنا دامن گیر ہوتا ہے کہ ایک بار جام کو منہ لگا دینے کے بعد جھٹا پٹ اسے ختم کر کے پرے رکھ دینے ہی میں عافیت نظر آیا کرتی ہے۔ یہ عام مشاہدہ ہے جس کو زاہد پر ڈھال کر نہایت شوخ پیرائے میں کہا گیا ہے ٭

اِس مرحلہ پر چند مزید منتخب اشعار درج کرنے کا خیال اِس وجہ سے نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ قارئین یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ

ان کے علاوہ باقی اشعار کچھ کم پُرکشش ہیں ۔

سوامی بزمل محض ایک غزل گو شاعر ہی نہیں۔ وہ ایک بلند پایہ ناظم بھی ہیں۔ ایک مرکزی خیال کو جس ربط کے ساتھ وہ مسلسل اشعار میں سحر انگیز انداز سے ادا کرتے ہیں وہ انھیں کا حصّہ ہے۔ لُطف کی بات یہ کہ رنگِ تغزّل کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ۔

اِس مجموعے میں مختلف قسم کی نظمیں موجود ہیں جو حُسنِ تخیُّل حُسنِ بیان اور حُسنِ ادا کی آئینہ دار ہیں۔ اگرچہ جناب بزمل کی طبیعت روایت پسند ہے۔ لیکن وہ وقت کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتے ۔

بہ خوفِ طوالت نظم کے نمونۃً اندراج یا اِس کے کسی حصّے کی تشریح سے دانستہ احتراز کیا جا رہا ہے۔ اہلِ نظر خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نظمیات کا پایہ بھی بہت بلند ہے ۔

علی الخصوص "شہیدانِ غدر" اور "پہلی جنگِ آزادی کے جاں بازہ" پڑھیئے۔ آپ اپنے آپ کو شاعر کے ردھم پر پائیں گے۔ آپ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جہاں آپ کے دِل میں حُبِّ وطن کا ایک بے پناہ طوفان بہ پا ہے وہاں آپ کا سر محبانِ وطن کی تعظیم کے لئے خود بہ خود عقیدت کے ساتھ

جُھکا پڑتا ہے۔ "سیاہی کا جواب خط" بھی ایک اور ایسا ہی وطن پرستانہ شاہ کار ہے ۔

"نشاطِ دہر" میں دُنیائے فانی اور اس کی عارضی مسرّت کے دامِ فریب سے بچنے کی ہدایت نہایت مؤثر انداز میں کی گئی ہے ۔

رومانی اور دُوسری نظمیں بھی جو منظر کشی سے متعلق ہیں۔ نادر شاہ پارے ہیں ۔

"کنارِ جمن" پنجابی کی ایک صنفِ شاعری "ماہیا" کا دل کش اُردو عکس ہے ۔

غزل کی طرح رباعی کے لئے بھی فکرِ رسا اور طویل مشقّ لازم ہے۔ اِس سنگ لاخ زمین میں بھی بزمل صاحب نے خُوش رنگ پھُول کھِلائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ "تماشائے ہستی"۔

دُنیا کی خُوشی غم کے سِوا کچھ بھی نہیں   یہ جرعۂ مے سَم کے سوا کچھ بھی نہیں
اک سانس پہ موقوف ہے یہ کھیل تمام   ہستی تیری اک دَم کے سوا کچھ بھی نہیں

اس رباعی میں ہستی کو "دَم" کہا گیا ہے۔ "دَم" کے دو معنی ہیں۔ "دھوکا" اور "سانس"۔ پہلے تین مصرعوں میں "دم" کے اِن دونوں معنوں کو جس خُوب صُورتی سے نباہا گیا ہے وہ نادر الوجود ہے۔ "خُوشی" کو "غم" اور "جرعۂ مے" کو "سم" کہہ کر جو ترنّم پیدا

کر دیا گیا ہے۔ وہ اس پر مستزاد ہے۔ پہلے دونوں مصرعوں نے "دَم" کے پہلے معنی کو مضمون سے مربوط کر دیا ہے۔ تیسرے مصرعے میں "سانس کا کھیل" کہہ کر "دَم" کے دُوسرے معنی کو واضح کر دیا گیا ہے۔ اردو ادب میں ذومعنی الفاظ کا ایسا موزوں استعمال کہ لفظ اپنے دونوں معنوں پر یکساں حاوی رہے خال خال نظر آئے گا۔

الفاظ کی ترتیب اور مصرعوں کی سلاست و روانی سے ظاہر ہے کہ اِس رباعی کو دماغ پر زور دے کر نہیں کہا گیا۔ بل کہ ڈھلے ڈھلائے مصرعے بے ساختہ کہہ دیئے گئے ہیں۔ جسے اِصطلاح میں "آمد" کہا جاتا ہے۔

سوامی جی نے رِندانہ رنگ میں بھی رباعیاں کہی ہیں جن میں خیّام کی رُوح بول رہی ہے۔

قطعہ کے میدان میں بھی جنابِ نِرمل پیش پیش نظر آتے ہیں۔ دیکھئے ۔ یہ قطعہ ـــــ "کرشمۂ جنُوں"

شعور و عقل کے عالم پہ چھائے جاتا ہے	لباسِ ہست کے پُرزے اُڑائے جاتا ہے
ابھی بہار کے آثار بھی نہیں لیکن	ہمارا دستِ جنُوں گُل کھِلائے جاتا ہے

جنُوں کا دَورہ عموماً موسمِ بہار سے متعلق ہے۔ یہاں شاعر نے اظہارِ تعجب کی جگہ اپنے جنُوں کو عام جنُوں سے مختلف۔ عجیب۔ بے ساختہ اور اس کے ساتھ ہی پُرجوش ثابت کیا ہے۔ بات

اگرچہ عام ہے۔ لیکن اِس کے لئے جو الفاظ منتخب کئے گئے وہ کہنے والے کی ندرتِ بیاں پر دال ہیں۔ "ابھی بہار کے آثار بھی نہیں اور ہمارا جنُوں زوروں پر ہے۔ اِس مفہوم کے لئے" ہمارا دستِ جنُوں گُل کِھلائے جاتا ہے"۔ کہنا شاعر کے حُسنِ طبیعت کی روشن دلیل ہے۔ بہار میں پھُول کِھلا کرتے ہیں اور ہمارا دستِ جنُوں پھُول کھِلنے سے پہلے ہی گُل کِھلا رہا ہے۔ یعنی بہ رُوئے کار ہے۔ "گُل" کی تشریح پہلے دو مصرعوں میں موجود ہے۔ جو اپنے آپ میں غایت درجہ مکمّل ہیں اور "گُل کِھلانے" کے محاورے پر پُوری طرح حاوی ہے۔

دُوسرے قطعات کتنے بلند پایہ ہیں۔ اِس کا اندازہ خود ہی کیجئے۔

گیت کی دُنیا میں بھی حضرتِ نِرمل بہت کام یاب دِکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے اِس صِنف کی نزاکت اور لطافت کو سمجھتے ہوئے سادہ زبان استعمال کی ہے۔ خیالات میں بھی پیچیدگی نہیں۔

سوامی جی کی سال گرہ کی تقریب پر "ویدانت نکیتن" کی دُوسری سرگرمیوں کی وجہ سے "کوثر و تسنیم" کی کتابت اور طباعت کی طرف بھی خاص توجّہ نہ دی جا سکی۔ عجلت میں جو کچھ ہو سکا حاضر ہے۔

"ویدانت نکیتن"	۱۰ر جنوری [illegible]ء	امر چند قیس

شری شیش کی نظر میں

"کوثر و تسنیم" کا کلام بھی شری نِرمل جی مہاراج کے پہلے دونوں مجموعوں کی طرح نہایت پاکیزہ ہے +

سوامی جی عُریانی سے دُور رہتے ہیں۔ فنی اصُول و قواعد کے سختی سے پابند ہیں۔ وہ آزاد شاعری کو ناپسند کرتے ہیں۔ تخیّل اور معنی آفرینی کے ساتھ ساتھ زبان کی صفائیُ و سلاست برقرار رکھتے ہیں۔ "کوثر و تسنیم" میں غزل۔ نظم۔ رباعی۔ قطعہ اور گیت سب کچھ موجود ہے۔ یہ اِس امر کی دلیل ہے کہ سوامی جی ہر صنفِ سخن میں کام یابی کے ساتھ طبع آزمائی کرتے ہیں +

سوامی نِرمل رنگِ قدیم میں رنگِ جدید کو ربط دیتے ہیں۔ وہ قومی نظمیں بھی لکھتے ہیں جو جوشِ بے قرار کی تڑپتی ہوئی تصویریں ہیں۔ رباعیات میں فلسفیانہ انداز بھی ہے اور رِندانہ رنگ بھی۔ قطعات ہلکے پھُلکے ہیں اور ہندوستانی زبان کے گیت بھی پُر تاثیر +

نِرمل جی مہاراج شعر کے حُسن و قبح کو خُوب جانتے ہیں۔ یہ تیسری شعری تصنیف ہے۔ ابھی بہت سا مجموعہ قابلِ اشاعت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ "کوثر و تسنیم" کا بھی شایانِ شان استقبال ہوگا +

شمبھوناتھ شیش

آل انڈیا ریڈیو - جالندھر - ۵ر جنوری ۵۸ء

غزل

سرِ راہِ محبت کوئی لکھ کر یہ لگا دیتا
اِدھر سے بچ کے نکلیں سیرِ دُنیا دیکھنے والے

آذر جالندھری

○

رنگ گُل کا ہو یا رَس کلی کا
ہر مزا گلستاں کا ہے پھیکا

دل میں بھی یاد ہے آپ ہی کی
لب پہ بھی نام ہے آپ ہی کا

رہ نما کم نہیں راہ زن سے
اُٹھ گیا سب بھرم رہ بری کا

محوِ گُل گشت ہے کون گُل رُخ؟
رنگ اُڑنے لگا ہر کلی کا

جب سے تولے پر اس نے فضا میں
آدمی پر گماں ہے پری کا

کوئی طوقِ غلامی پہن لے
طَور یہ تو نہیں بندگی کا

یاد سے اُس قمر کی شبِ غم
دل میں عالم ہے اب چاندنی کا

یہ ہے زُہدِ ریا اے برہمن!
دل میں چور اور ماتھے پہ ٹیکا

بَن رہی ہے دل و جاں پہ نرملؔ!
مِل رہا ہے صِلہ دوستی کا

آپ رُخ سے اُٹھائیے نہ نقاب
نہیں ذوقِ نظر کو دید کی تاب

اب ہے صیاد! یادِ باغ بھی خواب
بند رہنے دے اب قفس کا باب

فصلِ گُل پہ نہ بھُول اے بلبل!
عارضی ہے یہ گُل کا رنگِ شباب

قدرتی ہے لباسِ عُریانی
پردۂ محض قاقم و کمخواب

مہ و خورشید جس سے روشن ہیں
دل میں ہے وہ ضیائے عالم تاب

ہے جنُوں چشمۂ سرُورِ دید
کیفِ عقل و خرد ہے ایک حجاب

دہر کی راحتیں تلاش نہ کر!
دہر کی راحتیں ہیں محض عذاب

آرزوئے کرم نہیں مجھ کو،
ہے کرم سے سوا کسی کا عتاب

شوقِ کامل کے فیض سے تزمل!
بحرِ ذخّار ہوگیا پایاب

○

خُلد پر دست رس کی بات نہ کر
جو نہ ہو اپنے بس کی بات۔ نہ کر

عشق ہو کر ہوس کی بات نہ کر
تُو چمن ہے قفس کی بات نہ کر

زاہدِ بوالہوس کی بات نہ کر
چھوڑ بھی۔ خار و خس کی بات نہ کر

سر کے بَل چل جو پاؤں تھک جائیں
راہ میں پیش و پس کی بات نہ کر

طائرِ قُدس! کیوں یہ فکرِ جہاں؟
گُل ستاں میں قفس کی بات نہ کر

حال پر رکھ نگاہ اے ناداں!
گئے گزرے برس کی بات نہ کر

جس سے پُوچھو وہی ہے کشتۂ غم
چار چھ اور دس کی بات نہ کر

پریم رس کی کتھا ہے یاد تو کہہ
برہمن! سوم رس کی بات نہ کر

دیکھ تاثیرِ شعر اے بزمیؔ!
علم پر دسترس کی بات نہ کر

حُسن سے مانگتا ہے جلوے کی بھیک
یہ سراسر ہے عشق کی تضحیک

ساتھ چھوڑا نہ یاس نے دَم بھر
ورنہ ہوتا ہے کون غم میں شریک؟

کیا کھُلیں عشق و حُسن کی رمزیں؟
یہ مسائل ہیں نازک و باریک

پندِ واعظ نے کیا ہوا دے دی؟
شوق کو اور ہو گئی تحریک

شمعِ داغِ جگر تو روشن ہے
راہِ الفت بلا سے ہو تاریک

پردے آخر کہاں تک اور؟ اے حُسن!
ہو چلی اب تو عشق کی تضحیک

منزلِ عشق تھی نہایت دُور
ہم سمجھتے رہے اسے نزدیک

مری ہر بات ٹھیک بھی تو غلط
ترا ہر فیصلہ غلط بھی تو ٹھیک

وہ ہُوئے دُور اُس قدر نزدیک!
ہم ہُوئے اُن کے جس قدر نزدیک

بے زار ہو چکے ہیں بہت ناخدا سے ہم
نامِ خدا اب اُلجھیں گے موجِ بلا سے ہم

کیوں مر گئے نہ خوفِ ہجومِ بلا سے ہم
حیراں ہے طاقتِ دلِ غم آشنا سے ہم

چکرا رہا ہے پیچ و خمِ راہ سے دماغ
اُکتا گئے ہیں رہ بری رہ نما سے ہم

اُس رشکِ گُل کی یاد ہے فردوسِ چشمِ دل
فرصت نہیں کہ بات بھی کر لیں صبا سے ہم

بہلا ہُوا ہے دولتِ رنج و الم سے دل
صد شُکر جی رہے ہیں تمہاری دعا سے ہم

دم آ گیا ہے ناک میں اب اشک و آہ سے
بے زار ہو گئے ہیں اِس آب و ہوا سے ہم

اب خواب بن رہا ہے چمن کا خیال تک
مانُوس ہو چلے ہیں قفس کی فضا سے ہم

رنج و غم و الم ہیں میسر ہمیں بہت
کِس چیز کی کمی ہے جو مانگیں خدا سے ہم؟

ہر مل! غبارِ راہ ہیں مہر و مہ و نجوم
اُڑتے ہیں آسماں پہ فکرِ رسا سے ہم

بادۂ پُر سرور پیتے ہیں
شامِ غم ہم ضرور پیتے ہیں

مے پرستی ہے ذی شعور کا شغل
کب اسے بے شعور پیتے ہیں؟

لوگ سمجھیں شراب۔ لیکن ہم
آتشِ تر کا نور پیتے ہیں

شیخ نظریں بچا کے پیتا ہے
ہم تو حق کے حضور پیتے ہیں

خوش نصیبی پہ ناز ہے ہم کو
نکہت و رنگ و نور پیتے ہیں

یہ اگر جرم ہے تو جرم سہی
شام کو ہم ضرور پیتے ہیں

ہم کو دنیا میں خلد حاصل ہے
ہم شرابِ طہور پیتے ہیں

لاکھ واعظ کہے "حرام" "حرام"
بادہ کش تو ضرور پیتے ہیں

مے ہی کہہ لو اسے۔ مگر نزہتؔ
شعلۂ شمعِ طور پیتے ہیں

دِل ہے سُونا۔ اِس میں یاس و غم نہیں
یہ کرم بھی حشر سے کچھ کم نہیں

ایک وہ ہیں جن کی راحت جاوداں
ایک ہم ہیں جن کا غم پیہم نہیں

گو بپا ہے دِل میں طوفانِ سرشک
میری آنکھوں میں ذرا بھی نم نہیں

اک تمھیں ہو میرے غم سے بے خبر
کون میرے حال کا محرم نہیں؟

دل نشیں تھا گو جمالِ یار بھی
یہ خیالِ یار بھی کچھ کم نہیں

کیوں قیامت اُٹھتے اُٹھتے رہ گئی؟
کیوں مزاجِ دُشمناں برہم نہیں؟

دل کا رونا تھا کبھی آٹھوں پہر
جان کا بھی اب ہمیں ماتم نہیں

اِک نگاہِ مست اِدھر بھی۔ ساقیا!
اب یہ عالم ہے کہ دَم میں دَم نہیں

جامِ جم کی چاہ اے بزلؔ! ہو کیوں؟
کیا ہمارا دِل ہی جامِ جم نہیں؟

سر زمانے کو کر گیا ہوں میں
لیکن اِس دل سے ڈر گیا ہوں میں

پار اُترا ہوں تہ نشین ہو کر
کون کہتا ہے مر گیا ہوں میں؟

آتشِ غم نے وُہ جِلا بخشی
اَور بھی کچھ نِکھر گیا ہوں میں

یاس مجھ سے بھی پہلے پہنچی ہے
حوصلے سے جدھر گیا ہوں میں

اب اُنہیں مُنہ دکھاؤں کس مُنہ سے؟
وُہ نہیں آئے۔ مر گیا ہوں میں

یاد کس کو ہے ہوں بھی میں کہ نہیں؟
یُوں فضا میں بکھر گیا ہوں میں

منزل آئی ہے لپٹی قدموں سے
جس جگہ بھی ٹھہر گیا ہوں میں

دَیر گیا، کعبہ گیا، کلیسا گیا،
سب حدیں پار کر گیا ہوں میں

چشمِ ساقی کا فیض ہے بِزمل!
"عرش" و "لا" سے گزر گیا ہوں میں

معترف ہُوں زمانہ ساز نہیں
ہُوں قدح نوش - پاک باز نہیں

بے جھجک گھونٹ گھونٹ پیتا ہُوں
مثلِ واعظ مَیں جلد باز نہیں

لب بہ لب دونوں ایک جام سے ہیں
کفر و دیں میں کچھ امتیاز نہیں

حق پرستی کے راز کیا سمجھے؟
مے پرستی پہ جس کو ناز نہیں

دونوں عالم سے بے نیاز تو ہیں
رِند ساقی سے بے نیاز نہیں

پائے ساقی پہ ہُوں مَیں سجدہ گزار
کون کہتا ہے یہ نماز نہیں؟

وا نہ ہوگا درِ ارم تجھ پر
شیخ! تُو رندِ راست باز نہیں

وقت کا ہُوں مَیں حافظ و خیام
مَیں بلا نوش ہُوں - یہ راز نہیں

مے بنارس کی ہو - حجاز کی ہو
نرمل! اب اس کا امتیاز نہیں

نظر آتا ہے جوشِ چشمِ تر سے
کہ پانی اب گزرنے کو ہے سر سے

کہاں تک کوئی پیمانے کو ترسے؟
اب اے پیرِ مغاں! آنکھوں سے برسے

گِرا جاتا ہوں خود اپنی نظر میں
گرایا ہے مجھے کس نے نظر سے؟

سرِ مژگاں ستارے سے تھے جو اشک
سرِ دامن ہیں وہ لعل و گہر سے

یہی کچھ ہے طلوعِ مہرِ نو کیا؟
سیاہی ہے عیاں روئے سحر سے

کمالِ ضبط نے کیا گل کھلایا؟
نمایاں دِل کا عالم ہے نظر سے

تجلّی گاہِ سینہ ہے مرا دِل
ملی وہ روشنی داغِ جگر سے

مریضِ جاں بہ لب کا حالِ غیر اب
ٹپکتا ہے نگاہِ چارہ گر سے

سرِ منزل بھی تنہا ہوں! ہوں سفر میں
قدم تھکتے نہیں میرے سفر سے

○

اے آہ! مرے دل کی لگی کو وہ ہوا دے
اُس شوخ کے دل میں بھی یونہیں آگ لگا دے

اے ذوقِ جنوں! اب کوئی اعجاز دکھا دے
ہاں۔ حُسن کو بھی ہوش سے بیگانہ بنا دے

لاکھ اوڑھ کے آئیں وہ عقیدت کے لبادے
نظروں سے ٹپک پڑتے ہیں پوشیدہ ارادے

ساقی! نہ سہی۔ جو مری قسمت میں نہیں مے
للّٰہ مجھے دُردِ تہِ ساغر ہی پلا دے

ہاں۔ دیکھا تو تھا میں نے تری سمت مکرّر
اب جو تری مرضی۔ تُو جزا دے کہ سزا دے

چرچے تو بہت حق کے ہیں دُنیا کی زباں پر
ایسا نہیں کوئی جو حقیقت کا پتا دے

ہے خواہشِ دیدار ہی تو سدِّ سکندر
اے دل! یہی پردا ہے۔ یہی پردہ اُٹھا دے

اُس گُم رہِ شوق پہ قربان دل و جاں
ہر ذرّہ جہاں منزلِ مقصد کا پتا دے

یہ نغمے تو اے مطربہ! مستی سے ہیں خالی
اب کوئی غزل حضرتِ بزمی کی سُنا دے

آئی ٹھنڈی ہَوا مدینے سے
اب نہ اے شیخ! چُوک پینے سے

جس میں رنج و غم و ملال نہ ہوں
موت بہتر ہے ایسے جینے سے

کیا شبِ غم تھا دل کا حال۔ نہ پُوچھ
آ گئے موت کے پسینے سے

ہم کو اُلفت سے جس قدر ہے لگاؤ
اُس سے بڑھ کر ہے لاگ کینے سے

داغِ فرقت ہے یادگار اُن کی
دِل کی زینت ہے جو قرینے سے

جو پَلا ہو کنارِ طوفاں میں
اُس کو رغبت ہو کیا سفینے سے؟

یہ زمانہ تو کینہ پرور ہے
دُور رہ اے دِل! اِس کمینے سے

زخمِ تیرِ نگاہِ ناز کا ہے
کیوں نہ رکھوں لگا کے سینے سے؟

مَیں تو نِرمل! فدا ہُوں ساون پر
شیخ جلتا ہے اِس مہینے سے

یا بھول کر بھی شوقِ محبت نہ کیجیے
یا حُسن کے ستم کی شکایت نہ کیجیے

آزارِ جاں سے کم نہیں یہ مُفت کی بَلا
مر جائیے کسی سے محبت نہ کیجیے

گو سر کے بَل ہی چلنا پڑے راہِ عشق میں
ہرگز تمیزِ پستی و رفعت نہ کیجیے

اُلفت نہ ہو سکے۔ نہ سہی۔ اس کا غم نہیں
لیکن کبھی کسی سے عداوت نہ کیجیے

رسمِ وفا یہی ہے۔ یہی شرطِ عشق ہے
جاتا ہے سر تو جائے۔ شکایت نہ کیجیے

مانُوس ہو چلا ہے جفاؤں سے میرا دل
اب کچھ نہیں کرم کی ضرورت۔ نہ کیجیے

تکتے ہیں راہ آپ کی کچھ اور بھی ارم
گلشن کے خار و خس پہ قناعت نہ کیجیے

اظہارِ حال شیوۂ اہلِ رضا نہیں
اظہارِ حال کی کبھی جُرأت نہ کیجیے

یہ بندۂ خدا ہے خدائی کا دوست دار
بسمل سے آپ اِتنی تو نفرت نہ کیجیے

۴ شعر

یہ گُل کھلائے ہیں کِس گُل کے شوقِ اُلفت نے؛
خیالِ خُلد بھی دِل پر گراں گزرتا ہے

طوف کرتی ہے گھٹا کعبے سے اُٹھ کر اِس کا
دیکھ اے شیخ! یہ عظمت مرے مے خانے کی

اُٹھائے ناز بھی اُن کے۔ ستم بھی
مجھے پاسِ وفا نے مار ڈالا

روشنی سی تو نشیمن میں ہوئی تھی۔ لیکن
پھر گلِستاں پہ جو گزری۔ مجھے معلوم نہیں

نظم

گُل ہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوقؔ! اِس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ذوقؔ

کنارِ جمن

(اُردو ماہیا)

جمنا کا کنارا ہے
ہر سمت نگاہوں میں   پُر کیف نظارا ہے

مخمور ہوائیں ہیں
سرمست۔ سرُور افزا   فطرت کی ادائیں ہیں

تیور یہ بہاروں کے
سامانِ کشش کا ہیں   انوار نظاروں کے

موجوں کی روانی پر
فردوس کا دھوکا ہے   پن گھٹ کی جوانی پر

بنسی کی صدا آئی
ہر چشمِ تمنا میں   اک برق سی لہرائی

نشاطِ دہر

آنکھ تجھ پر اُٹھا نہیں سکتا
تجھ کو خاطر میں لا نہیں سکتا
دَم نہ دے مجھ کو اے نشاطِ دہر!
مَیں ترے دَم میں آ نہیں سکتا

ہر فریبِ جمال دیکھ لیا
ہر فسونِ جلال دیکھ لیا
اب ترے دام میں نہ آؤں گا
ہر طلسمِ خیال دیکھ لیا

ایک سودا ہے آرزو تیری
ایک دھوکا ہے جستجو تیری
رنگ تیرا ہے مائلِ پرواز
ایک موجِ ہوا ہے بُو تیری

شکستِ سکُوت

(۱)

آئیے جمہُور کی باتیں کریں
بے کس و مجبُور کی باتیں کریں
پُر دغا سرمایہ داروں سے غرض؟
بے ریا مزدُور کی باتیں کریں
عہدِ ماضی کے فسانے چھوڑ کر
ہند کے دستُور کی باتیں کریں

(۲)

خضر و ظلمات و سکندر کس لئے؟
کیوں بہشت و حُور کی باتیں کریں؟
قیس و وامق کے زمانے لد گئے
کس لئے اب دُور کی باتیں کریں؟
آخر ان باتوں کا کوئی مدعا؟
کب تک آخر طُور کی باتیں کریں؟

(۳)

کیسی رُت ہے! کیا سلونی شام ہے!
اب مئے انگُور کی باتیں کریں
بے خودی کے عالمِ موجُود میں
سرمد و منصُور کی باتیں کریں
حضرتِ بزمی! یہی تو وقت ہے
کیف و رنگ و نُور کی باتیں کریں

شہیدانِ غدر

خاک تھے لعل و گہر جن کے لئے
خار و خس تھے سیم و زر جن کے لئے
مال و دولت کی جنھیں حاجت نہ تھی
عیش و عشرت کی جنھیں حاجت نہ تھی
شمعِ آزادی کے پروانے تھے جو
بادۂ قومی کے مستانے تھے جو

خون کو گرما گیا جن کا پیام
اُن شہیدوں کو مَیں کرتا ہوں سلام

قید خانوں سے جنھیں دہشت نہ تھی
رخصتِ ہستی سے جنھیں رغبت نہ تھی
راہِ مشکل سے نہ کترائے کبھی
آفتوں میں بھی نہ گھبرائے کبھی
جی پہ جو کھیلے وطن کے واسطے
مر مٹے اپنے وطن کے واسطے

اُن شہیدوں کا ہے دل میں احترام
اُن شہیدوں کو مَیں کرتا ہوں سلام

نقشِ پا جن کا دلیلِ راہ ہے
رہ گزر جن کی مقامِ آگاہ ہے
فیض سے جن کے ہیں اب آزاد ہم
مطمئن ہیں اور ہیں دلشاد ہم
دَم سے جن کے ہم مسرت کوش ہیں
لطفِ آزادی سے ہم آغوش ہیں

ہے تصوّر اُن کا دل میں صبح و شام
اُن شہیدوں کو مَیں کرتا ہوں سلام

سپاہی کا جواب

تری وفا میں محبّت میں کچھ کلام نہیں
یہ ہے وہ صُبحِ منوّر کہ جس کی شام نہیں
مرے فراق میں دن رات بے قرار ہے تُو
وفا شعار - وفادار - جاں نثار ہے تُو

مگر یہ طعنہ کہ تجھ کو بھُلا رہا ہُوں مَیں
ترے خیال سے آنکھیں چُرا رہا ہُوں مَیں
مرے جگر کے لئے کم نہیں ہے خنجر سے
ہزار تیر ترے خط سے جان پر برسے

یہ وہم چھوڑ دے، گھر کا مجھے خیال نہیں
غلط ہے نورِ نظر کا مجھے خیال نہیں
یہ اتہام تو دِل پر گراں گزرتا ہے
مثالِ تیغِ رواں سینے میں اُترتا ہے

وطن کے دشمنِ بدخواہ بڑھتے آتے ہیں
وُہ تیز آندھی کی مانند چڑھتے آتے ہیں
یہ عزم ہے کہ اُنہیں خاک میں مِلانا ہے
نہیں تو اپنے لہُو میں مجھے نہانا ہے

وطن کے فرض کو آخر مَیں ٹال دُوں کیوں کر؟
اہم خیال کو دِل سے نکال دُوں کیوں کر؟
ترا بھی فرض ہے رخصت کا کچھ خیال نہ کر
سمجھ نزاکتِ وقت اور اب ملال نہ کر

درسِ عمل

رنج و غم کی ہنسی اُڑاتا جا
تلخیوں میں بھی مسکراتا جا
جورِ افلاک کا ملال نہ کر
اپنی دُھن میں تو گنگناتا جا
ہو مخالف ہوا تو ہونے دے
ناؤ کھیتا جا۔ تان اُڑاتا جا
بَل نہ آئے تری جبیں پہ کبھی
سب کے ظلم و ستم اُٹھاتا جا
"پرتگالی" کو لا نہ خاطر میں
جامِ حُبِّ وطن چڑھاتا جا
لاکھ دشمن ہوں تیرے ہمسائے
صُلح کا ہاتھ تُو بڑھاتا جا
جنگ آمادہ ہے زمانہ تو ہو
امن کا درس اسے پڑھاتا جا

ساقی!

آتشِ شوق سے دِل شعلہ فشاں ہے۔ ساقی!
مَیں بھُنکا جاتا ہُوں۔ تُو آج کہاں ہے؟ ساقی!
بطِ صہبا کی یہ "حق حق"، یہی "قُل قُل" مجھ کو
غیرتِ نغمۂ ناقُوس و اذاں ہے۔ ساقی!
کہکشاں جُوئے مئے نُور۔ قمر کشتیِ مے
کِس قدر توبہ شکن اُف! یہ سماں ہے ساقی!
یہ بہاریں! یہ گُلِستاں! یہ شبِ سیم فروش!
خوابِ فردوس بھی اب دِل پہ گراں ہے۔ ساقی!
لاکھ سمجھایا مجھے پیرِ حرم نے۔ لیکن
اُلفتِ دُخترِ رز دِل میں جواں ہے۔ ساقی!
مانتا ہُوں مئے ساغر بھی کوئی شے ہے مگر
اور ہی کچھ ہے جو نظروں سے رواں ہے۔ ساقی!
بخل کیوں جامِ شہادت سے ہے؟ لِللّٰہ بتا
مرا حصّہ جو یہی رِطلِ گراں ہے۔ ساقی!

پہلی جنگِ آزادی کے جاں باز

عمل سے ہند کو تم نے دیا پیغامِ آزادی
نتیجہ جس کا ہیں یہ راحت و آرامِ آزادی
مئے حُبِّ وطن سے مستِ خودداری رہے ہر دَم
بجا ہے تم کو ہم کہہ دیں اگر خیّامِ آزادی

تمُھارے دَم سے زنجیرِ غلامی کٹ گئی آخر
تمُھارے فیض سے حاصل ہُوا انعامِ آزادی
ضیائے شمعِ سینۂ رشک سے رہ رہ کے جلتی ہے
منّور یُوں کیا تم نے چراغِ بامِ آزادی
غلامی کی شبِ تیرہ ہوئی اک خواب ماضی کا
جوابِ جلوۂ صُبحِ ازَل ہے شامِ آزادی
اسیری کے نشیمن کا نشاں تک اب نہیں مِلتا
بِچھا ہے صحنِ گلشن میں بہ ہر سُو دامِ آزادی
ہمارے خرمنِ توبہ کے حق میں برق ساماں ہے
یہی تقوے شکن جامِ مئے گُل فامِ آزادی
تعصّب نام ہے جس کا وہی کُفرِ غلامی ہے
جِسے ایثار کہتے ہیں وہ ہے اسلامِ آزادی
یہ کِس نے پھُونک دی ہے رُوح تزلزل سنگ پاروں میں
ہر اک محفل میں جو چلنے لگے ہیں جامِ آزادی

تُو کہاں ہے؟

(۱)

کیف آفریں ہوائیں
بدمست سی گھٹائیں
مے میں نہا رہی ہیں
فطرت کی یہ ادائیں
مَیں صرفِ رنج و غم ہُوں!
ایسے میں تُو کہاں ہے؟

(۲)

سبزہ لہک رہا ہے
غنچہ چٹک رہا ہے
بادِ صبا کے دَم سے
ہر گُل مہک رہا ہے
پامالِ صد ستم ہُوں!
ایسے میں تُو کہاں ہے؟

(۳)

اِس رُت میں تُو اب آ جا
صورت ذرا دکھا جا
ہیں شاد کام سکھیاں
اے میرے من کے راجا!
مَیں پیکرِ الم ہُوں!
ایسے میں تُو کہاں ہے؟

ایک سوال؟

گھٹا آبِ بقا برسا رہی ہے
ہوا دل کش ترانے گا رہی ہے
فضا پر رُوحِ مستی چھا رہی ہے
حسینہ! کیوں تو اُٹھ کر جا رہی ہے؟

بہارِ خُلد رقصاں ہے چمن میں
کمی کیا ہے گُلوں کی انجمن میں؟
صبا ماحول کو مہکا رہی ہے
حسینہ! کیوں تو اُٹھ کر جا رہی ہے؟

یہ منظر کیف زا۔ وجد آفریں ہیں
یہ جلوے آفتِ دُنیا و دیں ہیں
یہ رُت دِل پر قیامت ڈھا رہی ہے
حسینہ! کیوں تو اُٹھ کر جا رہی ہے؟

رباعی

لہُو کو کر دیا مَیں نے پسینا
کہیں آیا پھر الفت کا قرینا

گیان چند منصور

تماشائے ہستی

دُنیا کی خوشی غم کے سوا کچھ بھی نہیں
یہ جرعۂ مے سَم کے سوا کچھ بھی نہیں
اک سانس پہ موقوف ہے یہ کھیل تمام
ہستی تری اک دَم کے سوا کچھ بھی نہیں

نیرنگِ نظر

سبزے کی لہک پر نہ کبھی بھُول اے دل!
کلیوں کی مہک پر نہ کبھی بھُول اے دل!
نیرنگِ نظر ہے یہ بہارِ گلشن
بُلبُل کی چہک پر نہ کبھی بھُول اے دل!

فکرِ عبث

کیوں فکر میں جلتا ہے نشیمن کے لیئے؟
تشویش تجھے کیا ہے اِس ایندھن کے لیئے؟
دو تنکے ہی آخر ہیں یہ - اے مُشتِ پر!
مضطر سَو بجلیاں ہیں گلشن کے لیئے

ایک معمّا

یارب! یہ معمّا بھی نہایت ہے عجیب
اِس باب میں عاجز ہیں حکیم اور طبیب
اب تک نہ ہُوئیں دید سے شاداب آنکھیں
سُنتا ہُوں کہ مجھ سے بھی ہے تُو میرے قریب

حسنِ نظر

اے چہرۂ ضو بار پہ مرنے والو!
رنگِ گلِ رخسار پہ مرنے والو!
یہ حسنِ فسوں کار تو ہے حسنِ نظر
اے حسنِ فسوں کار پہ مرنے والو!

التماس

ہر سمت ہیں انوار عیاں اے ساقی!
ہر چیز ہے فردوس نشاں اے ساقی!
قندیلِ صراحی سے جلادے دل کو
کافور ہو ظلمت کا دھواں اے ساقی!

کیفِ بہار

ہر برگ ہے خورشیدِ درخشاں ساقی!
ہر غنچہ ہے انوار بہ داماں ساقی!
ہر گل سے برستی ہے تبسم کی شراب
اک جام کہ بلبل ہے غزل خواں ساقی!

مے خانۂ فطرت

پھر خلد سے سرمست ہوائیں آئیں
پھر کعبے سے پُر کیف گھٹائیں آئیں
پھر برق ہوئی محوِ طوافِ توبہ
مے خانے سے "پی" "پی" کی صدائیں آئیں

توبہ

گھَن گھور گھٹا کی یہ سیاہی - توبہ!
ساقی کی یہ سرمست نگاہی - توبہ!
اب کوئی جیے مُردہ دِلی سے کیوں کر؟
توبہ سے ہزار بار الٰہی! توبہ!

کشمیر

دِل دار ہے - دِل بر ہے ادائے کشمیر
موجِ مئے کوثر ہے ہوائے کشمیر
فردوس کے جلووں پہ نہ بھول اے زاہد!
فردوس سے بڑھ کر ہے فضائے کشمیر

قطعہ

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

غالب

حُبِّ وطن

یہاں دِل میں لگن کچھ اور ہی ہے
ترا یہ حُسنِ ظن کچھ اور ہی ہے
عرق پھُولوں کا بھی کچھ ہوگا۔ ساقی!
مئے حُبِّ وطن کچھ اور ہی ہے

فریبِ پیہم

تیرا ہر ایک ناز اُٹھایا ہے
ہر طرح کا فریب کھایا ہے
اب لگاوٹ کی کوئی بات نہ کر
تُو نے سو بار حشر ڈھایا ہے

صہبائے ناب

واعظ! اب یہ کتاب رہنے دے
بندِ جنّت کا باب رہنے دے
دَورِ صہبائے ناب چلتا ہے
ذکرِ روزِ حساب رہنے دے

علاجِ غم

غمِ دُنیا کا چارا ڈھونڈتا ہُوں
کوئی غیبی اشارا ڈھونڈتا ہُوں
عطا ہو جائے ساقی! گھُونٹ دو گھُونٹ
ذرا سا مَیں سہارا ڈھونڈتا ہُوں

رنگ و بُو

طلسمِ رنگ و بُو کچھ بھی نہیں ہے
جنونِ آرزو کچھ بھی نہیں ہے
جوابِ خُلد باغِ دل ہے۔ ناداں!
جمالِ چار سُو کچھ بھی نہیں ہے

بہار و کیف

بہارِ غنچۂ و گُل بھی فسُوں ہے
نوائے رازِ بُلبُل بھی فسُوں ہے
فسُوں ہے قُلقُلِ مینا بھی، زرمل!
سرور و نشۂ مُل بھی فسُوں ہے

قوّتِ ارادی

عزم سے کہنہ خیالات بدل سکتے ہیں
صبح و شام اور یہ دن رات بدل سکتے ہیں
کِس لئے شکوۂ حالات ہے لب پہ، زرمل!
تُم جو چاہو ابھی حالات بدل سکتے ہیں

کرشمۂ جنُوں

شعور و عقل کے عالم پہ چھائے جاتا ہے
لباسِ ہست کے پُرزے اُڑائے جاتا ہے
ابھی بہار کے آثار بھی نہیں۔ لیکن
ہمارا دستِ جنُوں گُل کھِلائے جاتا ہے

ریاضِ دہر

مئے پُر کیف ہر موجِ صبا ہے
ریاضِ دہر جنّت سے سَوا ہے
ذرا باہر تو آ مسجد سے اے شیخ!
عجب طوفانِ رنگ و بُو بہ پا ہے

بے تابیِ فراق

مثلِ برقِ مضطرب بے تاب ہے
دِل ہے سینے میں کہ یہ سیماب ہے
ایک پَل بھی کل نہیں تیرے بغیر
جیسے کوئی ماہیِ بے آب ہے

گیت

تُو ہی کمالِ نغمہ ہے۔ تُو ہی کمالِ نغمہ بَن
ساز کی نغمگی ہی کیا؛ ساز کی نغمگی نہ دیکھ

جگرؔ مرادآبادی

مُورکھ پرانی! اب تو جاگ

مُورکھ پرانی! اب تو جاگ
سُورج آ پہنچا ہے سر پر
پنچھی گائیں راگ
مُورکھ پرانی! اب تو جاگ

سارے ساتھی آگے نکلے
اب تو آلس تیاگ
مُورکھ پرانی! اب تو جاگ

کیا جانے پھر کب جاگیں گے
تیرے سوئے بھاگ
مُورکھ پرانی! اب تو جاگ

اُونچی ہے بھارت کی شان

اُونچی ہے بھارت کی شان
اُجل ہے سُورج کی نائیں
اِس کا نِرمل گیان
اُونچی ہے بھارت کی شان

سارے ہی جگ کے من میں ہے
اِس کا آدر-مان
اُونچی ہے بھارت کی شان

سب دیش اِس کے گُن گاتے ہیں
سب سے ہے بَل وان
اُونچی ہے بھارت کی شان

سکھی! اب کون بندھائے آس؟

سکھی! اب کون بندھائے آس؟
سانس بنی ہے تیز کٹاری
جب سے پی نہیں پاس
سکھی! اب کون بندھائے آس؟

مجھ برہن کے دُکھیا من کو
پیت نہ آئی راس
سکھی! اب کون بندھائے آس؟

جیون میں تو بجھ نہیں سکتی
ان نینوں کی پیاس
سکھی! اب کون بندھائے آس؟

جب یاد تری آتی ہے

جب یاد تری آتی ہے
بیتے سپنوں کی دھارا
کچھ اور بھی تڑپاتی ہے
جب یاد تری آتی ہے

میرے دُکھیارے من پر
بجلی سی لہراتی ہے
جب یاد تری آتی ہے

ہر سانس پہ میرے دل میں
اک برچھی چل جاتی ہے
جب یاد تری آتی ہے

سجنی! کیوں کر دیپ جگاؤں؟

سجنی! کیوں کر دِیپ جگاؤں
دیوالی پر سُونے گھر میں
مَیں کیا خوشی مناؤں؟
سجنی! کیوں کر دِیپ جگاؤں؟

رَین بِتاؤں تارے گِن گِن
دِن بھر نِیر بہاؤں
سجنی! کیوں کر دِیپ جگاؤں؟

تیری اِچھیا ہے تو، لے پھر
من کے داغ جلاؤں
سجنی! کیوں کر دیپ جگاؤں؟

ساجن! سُونے گھر میں آ جا

ساجن! سُونے گھر میں آجا
جَل کر راکھ ہُوا ہے جیون
من کی آگ بُجھا جا
ساجن! سُونے گھر میں آجا

پران آ پہنچے ہیں پلکوں پر
اب تو رُوپ دکھا جا
ساجن! سُونے گھر میں آ جا

مرگھٹ کی نائیں ہے آنگن
مُسکا کر مہکا جا
ساجن! سُونے گھر میں آ جا

سوامی نرمل جی مہاراج پرم ہنس

کی

دوسری کتابیں

١- "فائن ڈیوائن" ——— "صہبائے ناب کا" سلیس انگریزی ترجمہ
مع تعارف و دیباچہ از قلم جناب امر چند صاحب قیس

٢- "صہبائے ناب" ——— اردو رسم الخط

٣- "نرمل دِوّیہ امرت" — "صہبائے ناب" ہندی رسم الخط اور ہندی انوواد

٤- "آبِ گنگ" ——— اردو رسم الخط

٥- "آبِ حیات" ——— تقاریر کا مجموعہ - اردو

٦- "رتن مالا" ——— بہترین اشعار کا انتخاب لاجواب - اردو

٧- "زم زم" ——— چوتھا مجموعۂ کلام - اردو

٨- "نرمل وچن امرت" ——— ہندی

"ویدانت نکیتن" - دی مال - امرت سر

(لبھو رام کاتب حسینی پورہ امرتسر)

"زم زم"

تقدس مآب سوامی نرمل جی مہاراج پرم ہنس

کا

چوتھا مجموعۂ کلام

جس میں غزلیات - نظمیات - رباعیات - قطعات اور گیت بھی شامل ہیں - عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر طالبانِ حقیقت اور شائقینِ ادب کی روحانی پیاس بجھائے گا ؛

ہر شعر میں حقائق و معارف کا دریا موج زن ہے - زبان کی سادگی خیالات کی بلندی مضامین کی لطافت اور رنگینی نے "زم زم" کی وقعتِ تقدیس کو اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں +

کاغذ بڑھیا - کتابت اعلیٰ - طباعت دیدہ زیب

"ویدانت نکیتن" - دی مال - امرت سر

"کوثر و تسنیم"

تقدس مآب سوامی نرمل جی پرم ہنس کے کلام کا تیسرا مجموعہ "کوثر و تسنیم" کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ ۵۶ء سے ۵۷ء تک "صہبائے ناب" سے "کوثر و تسنیم" تک کا فاصلہ طے کر لیا گیا۔ اتنے قلیل وقفے میں آپ کے کلام کے تیسرے مجموعے کی اشاعت یقیناً قابلِ تحسین ہے ۔

سابقہ دونوں مجموعوں کی طرح "کوثر و تسنیم" کی زبان بھی نہایت سلیس اور ٹکسالی ہے۔ مضامین کی ندرت اور اندازِ بیاں کی بے ساختگی قابلِ تعریف ہے۔ ویدانت کا فلسفہ، عشق و حُسن کی چاشنی کے ساتھ کچھ اس پیاری زبان میں پیش کیا گیا ہے کہ ذوقِ سلیم بے اختیار جھوم اُٹھتا ہے ۔

"کوثر و تسنیم" رِندی اور زُہد دونوں کے لئے یک ساں کیف آفریں ہے۔ بہشتِ بریں کے کوثر و تسنیم میں رِندوں کا حصّہ ہو یا نہ ہو مگر اس "کوثر و تسنیم" میں اُن کے حق سے چشم پوشی نہیں کی گئی ۔

بعض دقیق مضامین کو حیرت انگیز حد تک سلیس اندازِ بیاں میسّر ہوا ہے کہ بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ بعض جگہ حُسنِ بیاں میں کیف آفرینی کا وافر سحر موجود ہے۔ اس لحاظ سے سوامی جی کے اس شعر میں مجھے تو کوئی مبالغہ یا مغالطہ نظر نہیں آتا ؎

مبارک سالِ نَو اے تشنہ کامانِ ادب تم کو
تُمھارے واسطے مَیں "کوثر و تسنیم" لایا ہُوں

نور محل - ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء

نسیم

زم زم

تقدس مآب نرمل

زم زم

۸۰۳۴۷

تقدس مآب نرمل

پبلشر:- شام چیتنیہ
ویدانت سوسائٹی۔ "ویدانت نکیتن"۔ دی مال امرت سر

پرنٹر:- پنڈت گیان چند برہمی
راما آرٹ پریس۔ سنتوکھ سر۔ امرت سر

بار اوّل:- اکتوبر ۱۹۵۹ء

عہر

ملنے کا پتہ:-

۱۔ "ویدانت نکیتن"۔ دی مال۔ امرت سر
۲۔ ماہ نامہ "اوم" اردو۔ اجمیری گیٹ۔ دلی
۳۔ "بجرنگ" اردو۔ امرت سر
۴۔ "ہری گیان مندر" بسی کلاں (ہوشیار پور)

His Holiness Swami Nirmal

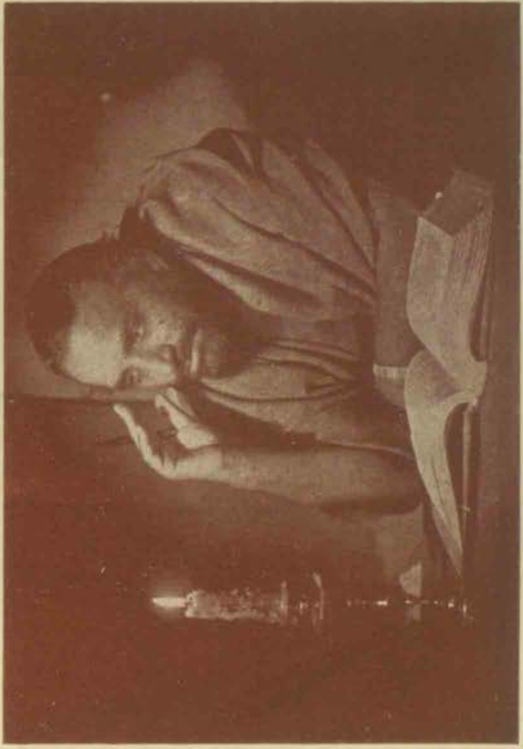

یہ دَیر و حرم تو نہیں منزل تیری نرمل۔
منزل تیری آگے ہے۔ تو منزل کی طرف دیکھ

زائرانِ کعبہ سے اقبالؔ یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زم زم کے سوا کچھ بھی نہیں؟

ترتیب

تعارف ۵
گُفتنی ۸
حضرتِ تسنیم کی نظر میں ۱۵
غزل :- ۱۷
مانا کہ زباں سے یہ بیاں ہو نہیں سکتا ۱۸
جب کبھی ماسوا کا خیال آ گیا ۲۰
اے بانیٔ ستم! یہ سزا پر سزا ہے کیا؟ ۲۲
اُن کا تیرِ نظر خطا نہ ہوا ۲۴
فُرقت میں بار بار بنی دل پہ۔ جان پر ۲۶
تُمھارا دین ریا۔ کے سوا کچھ اور نہیں ۲۸
ظُلم و جفا کہ مکر و دغا جانتے نہیں ۳۰
نہیں ملتا چمن میں اب ٹھکانہ ۳۲
وہ گُل کھِلانے لگیں گردشیں زمانے کی ۳۴
وجۂ صد اضطراب ہو کے رہی ۳۶
غم نیا۔ رنج نیا۔ درد نیا دیتا ہے ۳۸
جوانی میں بھی تُو خلوت گزیں ہے ۴۰

کافر ہے اب بھی مے سے جسے اجتناب ہے ۴۲

------ ---- ۱۴ شعر ------ ۴۴

نظم ؛ ۴۵

نغمۂ حقیقت ۴۶

تیرے بغیر ۴۷

نامرادِ عشق ۴۸

کاش! ایسے میں تم بھی آجاتے ۵۰

ساون کی بہار ۵۱

ساقی! ۵۲

نعرۂ مستانہ ۵۴

جوشِ عمل ۵۶

عہد نامہ ۵۸

رباعی :- ۵۹

قطعہ :- ۶۵

گیت :- ۷۱

دوسرے غیر فانی شاہکار ۷۹

کلیاتِ نرمل ۸۰

آبِ حیات ....

تعارف

تقدس مآب حضرتِ نرمل کی ذاتِ با برکات اِس قسم کے تعارف کی محتاج تو نہیں ـــــ مگر رسمی طور پر یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ اِس شاعرِ اعظم کی زندگی کے حالات مختصراً درج کر دیئے جائیں ۔

سوامی نرمل جی مہاراج پرم ہنس کا ظہور بچّی وِنڈ میں ۱۰ر جنوری ۱۹۱۹ء کو ہُوا۔ یہ موضع ضلع امرتسر کا ایک دُور افتادہ گُم نام مقام ہے۔ سوامی جی کے والدِ محترم شری کرشن چندر جی اِس علاقے کے ذی وقار ہندو خاندان کے ممتاز رُکن تھے۔ سوامی جی کی اوّلین تربیت گاہ اُن کی والدہ محترمہ رادھا جی کی جاں پرور اور رُوح نواز لوریاں تھیں جو اخلاقی اور رُوحانی تعلیم سے معمور تھیں ۔

حضرتِ نرمل نے صِرف ۹ سال کی عُمر تک بُنیادی تعلیم اُردُو لاہور چھاؤنی کے ایک مدرسہ میں حاصل کی۔ پھر سنسکرت کی حرف شناسی شری شودیال جی سے سیکھی۔ بعد ازاں سنسکرت کالج شاہ عالمی دروازہ لاہور میں داخل ہوئے لیکن مطالعہ کا یہ سلسلہ بھی دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ اور تلاشِ صداقت کے جذبے کے زیرِ اثر کالج کو خیر باد کہہ گئے ۔

زمانے کے تلوّن و تغیّر اور عالَم کی بے ثباتی نے اُنھیں خلوت گزینی

کی راہ پر ڈال دیا۔ تھوڑی ہی مدت وہ ورکت شرومنی سوامی شنکر آنند جی مہاراج کے قدموں میں ویدانت کے مختلف گرنتھوں کا مطالعہ کرتے رہے یہیں وجد کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ عالمِ استغراق و محویت تمتوں مسلط رہا۔

نرمل جی پرم ہنس کے دادا شری نہال چند جی "یوگ وششٹ" کے عالمِ بلند پایہ اور مفسرِ مستند تھے۔ اُن کا محبوب شغل تھا عبادت و ریاضت۔ خانہ داری کی زندگی سے اُنھیں سخت نفرت تھی۔ مگر پوجیہ گورو دیو کے اصرار پر اُنھوں نے بادِلِ ناخواستہ شادی کر لی۔ اُن کے ایک فرزند شری رام آنند جی مہاراج نے ترکِ دُنیا کے بعد گوشہ نشینی اختیار کی۔ نرمل جی نے اُنھیں کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور رُوح کی انتہائی گہرائیوں میں غرق ہو گئے۔

حضرت نرمل کے عقیدت مندوں کے مسلسل تقاضے حد سے گزر گئے۔ پہلے تو وہ ٹالتے رہے۔ لیکن آخر کار ۱۹۵۰ء میں "ویدانت نکیتن" امرتسر کی بُنیاد رکھ دی جہاں وعظ و پند کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فیض کا یہ چشمہ آج بھی رواں ہے جس کی دریا دِلی تشنہ کاموں کی رُوحانی تسکین کا سامان ہے۔

"ویدانت نکیتن"، سوامی جی کی مستقل قیام گاہ ہے۔ لیکن اُن کے دل فزا وعظ اور رُوح نواز نغمے ہندوستان بھر کی فضاؤں میں گونجتے رہتے ہیں۔ روزانہ "ست سنگ" کے علاوہ "ویدانت نکیتن" میں ہر سال دیوالی کی تقریب پر آل انڈیا ویدانت کانفرنس نرمل جی کی ہدایات میں منعقد ہوتی ہے۔ جس میں ممالکِ غیر کے سکالر بھی شریک ہوتے ہیں۔ "ویدانت نکیتن" کو ان رُوحانی سرگرمیوں نے عالمگیر اہمیت دے دی ہے اور اب یہ ایک متبرک تیرتھ سمجھا جاتا ہے۔

"ویدانت نکیتن" سے پہلے جناب نرمل نے "سلوہ" ضلع کانگڑہ میں "جیون مکت آشرم" تعمیر کیا تھا۔ جہاں موسمِ گرما میں اُن کا لُطف و کرم وعظ و عمل کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اب ہری دوار میں ایک اور آشرم مکمل کر رہے ہیں۔ — "سیوک نواس"۔

"ہری گیان مندر" بسی کلاں

۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

قیس

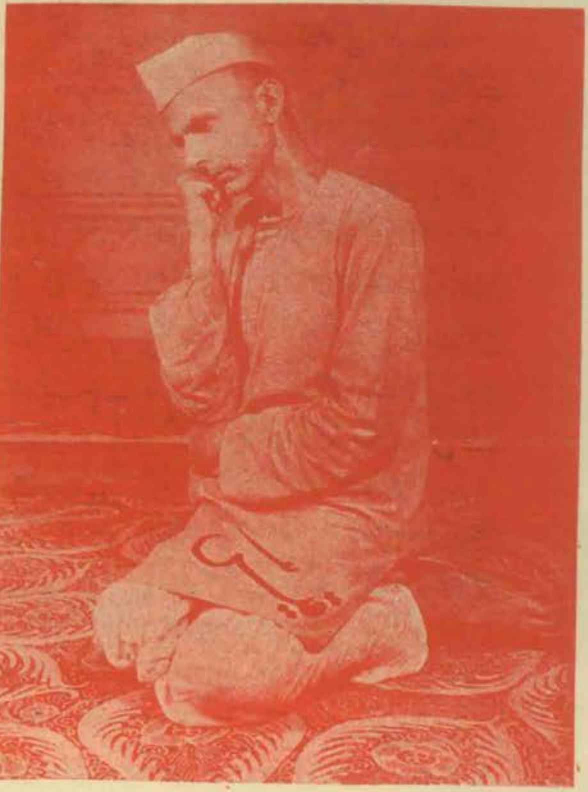

Amar Chand 'Qais'

گفتنی

تقسیمِ ہندوستاں سے بہت پہلے کی بات ہے ۔ دھرم سالہ (کانگڑہ) کے ایک مشاعرے میں شرکت کا اتفاق ہُوا۔ جو ایک علم دوست سرکاری افسر —— غالباً مال افسر جس کا نام بھُول گیا ہوں —— کے زیرِ صدارت منعقد ہو رہا تھا۔ مقامی شعرا کلام پیش کر چکے تھے۔ مشاعرہ خوب جما ہُوا تھا۔ باہر سے آنے والے دو ایک اُستادوں کے نغموں نے محفل کو اور بھی گرما دیا تھا۔ مَیں چند لمحوں کے لئے سٹیج سے چُپ چاپ اُٹھ کر چلا گیا۔ اور جلسہ گاہ سے باہر سبزہ زار کے ایک کونے میں سگرٹ پینے لگا۔ ابھی تین چار کش لگائے تھے کہ تالیوں نے میری توجہ اپنی طرف کھینچی اور مَیں سگرٹ پھینک کر سٹیج پر پہنچ گیا۔ ایک نوجوان کھڑا تھا جس کے چہرے سے جلال برس رہا تھا اور آنکھوں سے تیز شعاعیں پھُوٹ رہی تھیں۔ اُس نے متبسّم انداز سے لب کھولے —— مطلع سماعت فرمائیے ؎

اب نہ دل ہے نہ کچھ تمنّا ہے
اب نہ سر ہے نہ کوئی سودا ہے

"سبحان اللہ۔ سبحان اللہ" کا شور بلند ہُوا۔ سامعین نے مطلع دو تین بار پڑھوایا۔ مصرع برابر کے، قابلِ داد تھے۔ شاعر کے ترنّم نے شعر کے سرنے میں خوش بُو پیدا کر دی ۔

ساری غزل مرصّع تھی۔ ایک ایک شعر پر فضا داد کے کلمات سے گونجتی رہی۔ "مکرّر۔ مکرّر" کے ہنگامے میں اِس شاعر نے جب مقطع پڑھا تو مجھے معلوم ہُوا کہ یہ نوجوان ترمل ہے۔

شاعر اپنی نشست پر جانے لگا تو "ایک اور۔ ایک اور" کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور جنابِ ترمل نے دُوسری غزل پڑھی جو رُوحانیت کے رنگ میں ڈُوبی ہُوئی اور خالص تصوّف کی آئینہ دار تھی۔ مطلع میرے ذہن پر پیوست ہو کر رہ گیا ؎

حرمِ دِل میں مکیں تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا
وہ رگِ جاں سے قریں تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا

حضرتِ ترمل نے مشاعرہ لُوٹ لیا۔ اور مجھے یہ کہنے میں تامّل نہیں کہ ان کے بعد جس نے بھی کلام پڑھا۔ محفل کو گرما نہ سکا۔ اور اس کا رنگ پھیکا ہی رہا۔

باقی شعرا کے بعد جب دُوسرے دَور کا آغاز ہُوا تو آوازیں آنے لگیں — "ترمل۔ ترمل"۔ دو تین شاعر یکے بعد دیگرے سٹیج پر آئے۔ وہ بہت اچھا بھی کہنے والے تھے۔ مگر حاضرین کسی کو سُننے کے لئے تیار نہ ہُوئے۔ بالآخر صاحبِ صدر نے حضرت ترمل ہی سے درخواست کی تو تالیوں کے ساتھ "غزل۔ غزل" کا شور اُٹھنے لگا۔ ترمل صاحب نے پھر اُسی دل نواز انداز میں مطلع پڑھا ؎

کسی کے عشق میں جو مبتلا نہیں ہوتا
وہ آدمی بھی کسی کام کا نہیں ہوتا

مطلع سُنتے ہی انگریزی ادب کا یہ فقرہ مجھے یاد آ گیا۔ جو رسوائی کی حد تک مشہور ہے :-

A MAN OF NO RELIGION IS WORSE THAN A MAN OF A BAD RELIGION.

لیکن اس کی تاثیر دل سے اُتر گئی اس لئے کہ اس مطلع انوار کی فصاحت اور بلاغت کے مقابلہ میں یہ قول گرد ہو کر رہ گیا ہے۔

اسی غزل کا ایک شعر تھا ؎

تُمھارا ایک بھی وعدہ وفا ہو۔ تو جانیں
تُمھارا ایک بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

خان دانِ داغ کا یہ مخصوص اندازِ بیاں قابلِ رشک ہے۔ ڈھلے ہُوئے مصرعے داد سے مستغنی ہیں ٭

غزل کے اختتام کے بعد مشاعرہ جاری تو رہا۔ لیکن عالَم بے کیف تھا اور اسی عالَم میں برخاست ہو گیا!

مشاعرے کے بعد احباب کے تقاضوں پر قیام طویل ہو گیا۔ تیسرے دن جناب نِرمل شملہ ہوٹل میں تشریف لائے اور مجھے اپنے آشرم میں لے گئے جہاں مزید دو ہفتے رُوحانیت کے دَور بھی چلتے رہے اور شعر و شاعری کے بھی۔ یہ تھی سوامی

نِرمل جی مہاراج سے پہلی ملاقات۔ جس کے دوران واقفیت دوستی کی صورت اختیار کر گئی ٭

پھر کئی سالوں تک نِرمل جی مہاراج سے صرف نصف ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ "ویدانت نکیتن" کی بنیاد رکھنے کے بعد آل انڈیا ویدانت کانفرنس کے ہر سالانہ اجلاس پر اُنھوں نے مجھے دعوتِ شرکت دی۔ لیکن میری بدقسمتی میں نیاز حاصل نہ کر سکا۔ آخر وہ غریب خانے پر تشریف لائے تو مجھے انکار کی جرات نہ ہوئی اور میں پہلی بار اس مقدس تقریب میں شریک ہُوا ٭

"ویدانت سوسائٹی" کی توجہ میں نے سوامی نِرمل جی پرم ہنس کے کلام کی اشاعت کی طرف منعطف کرائی تو اس کی ترتیب کے فرائض میرے ہی سپرد ہُوئے ٭

میں نے پہلا مجموعۂ کلام "صہبائے ناب" ایک ہفتے میں مرتب کر دیا اور اس میں سوامی جی کے سوانح حیات اور غزلیات کے متعلق اپنے خیالات بھی شامل کر دیئے ٭

"صہبائے ناب" کی مقبولیت پر جس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ عقیدت مندوں کے اِصرار نے مجبور کر دیا۔ کہ باقی کلام بھی مرتب کیا جائے اور اب تک کلام کے تین مجموعے — "صہبائے ناب" "آبِ گنگ" "کوثر و تسنیم" اردو میں شائع ہو چکے ہیں۔ نیز کلام کا انتخاب "رتن مالا" بھی "صہبائے ناب"

کا انگریزی اور ہندی ترجمہ بھی طبع ہو کر اہلِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے ۔

اب حسبِ وعدہ "زَم زَم" پیش کیا جا رہا ہے۔ جس کے لئے قارئین بے قراری سے منتظر تھے۔ یہ مجموعۂ کلام بھی پہلے مجموعوں کی طرح معیاری ہے اور مختلف اصنافِ سخن کے نادر شاہ کاروں پر مشتمل ہے۔ یہ حقیقت نرمل جی مہاراج پرم ہنس کی طبیعت کے ہمہ گیر واقع ہونے کا ثبوت ہے۔ ان سطور میں اس قدر گنجائش نہیں کہ تمام اصناف پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے۔ سالانہ اجلاس سر پر ہے اور وقت تنگ۔ اس لئے مختصراً کچھ عرض کروں گا۔ اہلِ ذوق خود ہی محاسنِ شعری سے لطف اُٹھائیں ۔

غزل

غزل اُردو شاعری کی محبوب ترین صنف ہے۔ صدیوں سے اس کے جادو میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا اور بعض حلقوں کی مخالفت کے باوجود آج بھی یہ دامن کشِ دل ہے۔ لیکن غزل اب روایتی غزل نہیں رہی۔ پامال اور فرسودہ مضامین کا تکرار مستحسن نہیں۔ ابتذال سخت ناپسند کیا جاتا ہے۔ غزل کہنا آسان نہیں۔ ناظم غزل نہیں کہہ سکتا۔ غزل کہنا صرف شاعر کا کام ہے۔ ہر غزل گو بھی شاعر نہیں ہوتا۔ غزل

اپنے مرتبے سے کبھی نہیں گرے گی چاہے غزل کہنے والے شعرا کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو جائے ۔

تقدس مآب سوامی نرمل کی غزلیں بلند مرتبہ ہیں۔ میں اشعار پر روشنی نہیں ڈالوں گا۔ یہ سب کچھ قارئین کے سپرد ہے۔ وہ خود ہی محاسنِ شعری کا جائزہ لیں ۔

نظم

نظم کہنا نسبتاً سہل ہے۔ لیکن یہ بھی اپنا مقام رکھتی ہے۔ "زَم زَم" میں حکیمانہ۔ رومانی۔ سیاسی اور نیچرل نظمیں موجود ہیں۔ ہر نظم اپنی اپنی جگہ کامیاب ہے ۔

رباعی

رباعی مشق طلب صنفِ سخن ہے۔ مخصوص اوزان کی پابندی کھیل نہیں۔ سوامی جی اِس میدان میں بھی پورے اُترے ہیں اور یہ ہے دلیل اِس امر کی کہ انھیں عروض کے فن سے بھی واقفیت حاصل ہے ۔

قطعہ

جہاں تک مضامین اور تشکیل کا تعلق ہے اب رباعی اور قطعہ قریب قریب ایک ہی چیز ہیں۔ ہاں۔ فرق ہے تو محض اوزان کا۔ اِس صنف میں بھی جو روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہی ہے جنابِ نرمل جولانیِ طبع کے جوہر دکھا رہے ہیں ۔

گیت

گیت کی لطافت وناز کی زبان کے انتہائی سلاست کا تقاضا کرتی ہے۔ "زم زم" کے گیت عشق کے بنیادی جذبات سے متعلق ہیں۔ چوں کہ یہ سب اُداسی کا رنگ لئے ہوئے ہیں اِس لئے اور بھی اثر معمور اور شیریں ہو گئے ہیں۔ فلمی گیت اکثر فنِ عروض و موسیقی کی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات نہیں۔ کیوں نہ ہو؟ سوامی جی موسیقی کے رمُوز بھی خوب سمجھتے ہیں ✤

تقدس مآب حضرتِ نرمل نکتہ داں بھی ہیں۔ دقیقہ رس بھی۔ محاسن و معائبِ شعری کو وُہ خوب سمجھتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں۔ غور و فکر سے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام عام نقائص سے پاک ہوتا ہے ✤

خاتمے پر "ویدانت سوسائٹی" سے گزارش کروں گا کہ سوامی جی مہاراج کی تقاریر کی ترتیب کا فرض ایک ادارہ کے سپُرد کیا جائے۔ یہ ایک آدمی کا کام نہیں۔ ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ البتہ اُن کے مختصر مضامین کا مجموعہ "آبِ حیات" ضرور مکمل کر دوں گا جو اِس وقت زیرِ ترتیب ہے ✤

اب میں رخصت چاہتا ہوں اور ع پھر ملیں گے اگر خدا لایا

"ہری گیان مندر"۔ بسی کلاں ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء قیس

حضرتِ تسنیم کی نظر میں

مقامِ مسرت ہے کہ بلبلِ گلستانِ تصوّف سوامی نرمل جی کے نغمات (غزلوں نظموں رباعیوں قطعوں اور گیتوں) کا چوتھا مجموعہ شائع ہو رہا ہے۔ سدا بہار پھولوں کا یہ گلدستہ مختصر ہونے کے باوجود سلیم الطبع اہلِ ذوق اور صاحبِ حال احباب کے قلب و نظر کی تسکین و تفریح کے لئے ایک بے بہا تحفہ ہے۔ جہاں دیکھئے کسی نہ کسی مقامِ رُوحانی اور کیفیتِ باطنی کی طرف ایک لطیف اشارہ اور ایک دقیق کنایہ پایا جاتا ہے۔ بہت حد تک یہ بات درست ہے کہ فلسفہ و تصوّف لباسِ شعر میں گھُٹ کر ابہام کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور شعر ایسے مضامین سے رُوکھا پھیکا رہ جاتا ہے۔ لیکن نرمل جی مہاراج پرم ہنس کا کلام پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ شعر تصوّف کے لئے ہے اور تصوّف شعر کے لئے۔ ہر شعر حُسنِ بیاں اور الفاظِ موزوں کے انتخاب کے باعث ایک دِل کش نغمے کی سی کیفیت لئے ہوئے ہے ✤

سوامی جی کے کلام کا بیشتر حصہ اشاراتی اور علامتی (Symbolic) ہے۔ مے و مینا۔ ساقی و شاہد۔ نسیم و نکہت اور بہار و خزاں کے پردے میں رموزِ رُوحانی اور اسرارِ حقّانی کے خزانے پوشیدہ نظر آتے ہیں۔ سوز و گدازِ عشق کی ایک حدیث ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلی ہے اور اپنی تاثیر کے لحاظ سے دِل کے ایک ایک پردے کو چھُوتی ہے۔ شعر کی یہ صفت اپنی طوِیل عُمر کی دلیل ہے ؛

علامہ قیس ہمارے شُکریے کے مستحق ہیں جو اِس مستِ ذات فقیر کو گُل زارِ صفات میں اپنا رنگ و بُو تقسیم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ خدا کرے۔ تقدُّس مآب بزمل کے پاکیزہ کلام سے ادبِ اُردُو میں جلد جلد اضافہ ہوتا رہے ؛

شملہ — گنگادھر تسنیم

۱۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء — ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل

غزل

دیکھا کبھی جو پینے کے موسم خلاف ہے
مَیں شیشۂ شراب کو برفا کے پی گیا

آذر جالندھری

○

مانا کہ زباں سے یہ بیاں ہو نہیں سکتا
نظروں سے بھی کیا عشق عیاں ہو نہیں سکتا؟

سر دے کے خریدوں گا میں سودائے محبت
اِس مول تو سودا یہ گراں ہو نہیں سکتا

جب تک کوئی خاکِ درِ مے خانہ نہ ہو جائے
اے شیخ! کبھی پیرِ مغاں ہو نہیں سکتا

مارا اُسی معصوم کی شمشیرِ ادا نے
جس پر مجھے قاتل کا گماں ہو نہیں سکتا

سینے سے لگایا ہے ترے دردِ نہاں کو
اب دُور ترا دردِ نہاں ہو نہیں سکتا

ڈرتا ہوں خموشی بھی نہ ہو کاشفِ اسرار
ہونے کو تو کیا ضبطِ فغاں ہو نہیں سکتا؟

کس منہ سے زمانہ اُسے کہہ دیتا ہے سفّاک؟
وہ راحتِ جاں آفتِ جاں ہو نہیں سکتا

ہر وقت تر و تازہ ہیں گُل ہائے مضامیں
گلزارِ سخن نذرِ خزاں ہو نہیں سکتا

اب پوچھتے ہیں حالِ دلِ زار وہ - ہِنزلی!
جب حالِ دلِ زار بیاں ہو نہیں سکتا

جب کبھی ماسوا کا خیال آگیا
بن کے ہادی خدا کا خیال آگیا

آگیا حرفِ شکوہ جو لب پر کبھی
مجھ کو شرطِ وفا کا خیال آگیا

جب کوئی قہر ٹوٹا مری جان پر
میرے دل میں دُعا کا خیال آگیا

طُور پر برملا آنکھ لڑتی رہی
میری نسبت حیا کا خیال آگیا

ہجر کی رات بھی چاندنی ہوگئی
جب کسی مہ لقا کا خیال آگیا

جب بھی ٹھانی خدا کی عبادت کروں
اُس بُتِ بے وفا کا خیال آگیا

ہونے والا تھا تائب گناہوں سے میں
تیری شانِ عطا کا خیال آگیا

پاسِ توبہ تو تھا آج واعظ! مگر
موسمِ کیف زا کا خیال آگیا

ڈگمگایا کہیں دل تو نزلؔ! وہیں
وقت پر رہ نما کا خیال آگیا

○

اے بانیِ ستم! یہ سزا پر سزا ہے کیا؟
ہم پر بھی کچھ کھُلے کہ ہماری خطا ہے کیا؟

صبر و قرار۔ ہوش و سکوں دل میں اب کہاں؟
ہم کیا کہیں کہ وہ نگۂ سحر زا ہے کیا؟

اے شیخ! اگر خدا کے سوا اور کچھ نہیں
حیرت کا ہے مقام کہ پھر ماسوا ہے کیا؟

حُسنِ جفا پرست ستم پر تُلا رہے
عشقِ وفا سرشت کو اِس کا گِلا ہے کیا؟

کوئی مجھے بتا دے کہ اب اُن سے کیا کہوں؟
دِل لے کے پوچھتے ہیں ترا مدعا ہے کیا؟

طُوفاں سے کھیلتے ہیں جو نامِ خدا۔ اُنھیں
کیا اِس سے؟ بادِ شرط ہے کیا۔ ناخدا ہی کیا

مانا کسی مرض کی دوا ہے دعا ضرور
غم کا علاج آتشِ تر کے سِوا ہے کیا؟

ہم لب بہ لب ہیں ساغرِ صہبائے ناب سے
پروا کِسے کہ چشمۂ آبِ بقا ہے کیا؟

نزہلؔ! یہ ہوش ہے کہ پیے جا رہے ہیں ہم
اِس کی خبر نہیں کہ روا۔ ناروا ہے کیا؟

اُن کا تیرِ نظر خطا نہ ہُوا
جب ہُوا - دل مِرا نشانہ ہُوا

باوفا کس قدر ہے داغِ فراق
دل سے اک لمحہ بھی جُدا نہ ہُوا

آ ہی جاتا ہُوں تیری باتوں میں
وعدہ گو ایک بھی وفا نہ ہُوا

نکہتِ دوست ہی کبھی لاتی
اِس قدر تجھ سے اے صبا! نہ ہُوا

کوئی بھی آہ با اثر نہ ہوئی
کوئی نالہ مِرا رسا نہ ہُوا

یاد اُن کی ہے آج تک دِل میں
وہ الگ ہو گئے - زمانہ ہُوا

رنج و اندوہ - درد و یاس و ملال
اُن سے کیا کچھ مجھے عطا نہ ہُوا

دل میں کیا کیا نہ آرزوئیں تھیں
رُو بہ رُو ان کے لب کبھی وا نہ ہُوا

مِٹ گئے عشق میں ہم - اے نزلؔ!
پھر بھی خُوش کوئی خُوش ادا نہ ہُوا

○

فُرقت میں بار بار بنی دِل پہ۔ جان پر
آیا نہ حرفِ شکوہ ہماری زبان پر

قاتل تُلا ہُوا ہے اگر امتحان پر
ہم کھیل کر دکھائیں گے آج اپنی جان پر

لائیں نہ رنگ آپ کی محشر خرامیاں
اُڑ کے زمیں نہ پہنچے کہیں آسمان پر

اے ہم نشیں! نہ پُوچھ شبِ غم کی داستاں
لب کیا بتا سکیں گے جو گزری ہے جان پر؟

خاموش اگر ہے دَیر تو سُنسان ہے حرم
ہیں رَونقیں تو پیرِ مغاں کی دُکان پر

کَل تک خود اپنے سائے سے جو بے خبر رہے
وُہ آج ڈالتے ہیں کمند آسمان پر

ہے مختصر سی منزلِ الفت کی سرگزشت
چھالے ہیں میرے پاؤں میں کانٹے زبان پر

مَیں نے تو آہِ سرد بھی اب تک بھری نہیں
کیوں تولنے لگا ہے تُو اے آسمان! پر؟

نیّر! ہمارے رنگِ سخن کی یہ شان ہے
اُٹھی کبھی نہ اُنگلی ہماری زبان پر

تُمہارا دین ریا کے سِوا کچھ اور نہیں
ہمارا فرض وفا کے سِوا کچھ اور نہیں

جنابِ شیخ ہیں غش جس ادائے جنّت پر
وہ مے کدے کی فضا کے سِوا کچھ اور نہیں

عزیز دوست عبث زحمتِ دوا نہ کریں
مِرا علاج دعا کے سِوا کچھ اور نہیں

ہر اک جگہ ہے خُدائی بُتوں کی جلوہ نما
سُنا تو یہ تھا۔ خدا کے سِوا کچھ اور نہیں

نگاہِ حُسن ہے کیوں شعلہ ریز۔ کیا معلوم؟
خطائے عشق وفا کے سِوا کچھ اور نہیں

غمِ زمانہ کی تلخی کے واسطے اے دوست!
شرابِ ہوش ربا کے سِوا کچھ اور نہیں

یہ دہر اِس کی یہ رنگینیاں۔ یہ عیش ونشاط
طِلسمِ ہوش ربا کے سِوا کچھ اور نہیں

بہشت و حُور کے یہ سبز باغ اے زاہد!
فریبِ خواب نما کے سِوا کچھ اور نہیں

ہمارا زُہد۔ ہماری عبادت۔ اے بزملؔ!
خیالِ راہ نما کے سِوا کچھ اور نہیں

ظلم و جفا کہ مکر و دغا جانتے نہیں
وہ ہر ہُنر میں فرد ہیں۔ کیا جانتے نہیں؟

ساقی لنڈھا رہا ہے۔ پیئے جا رہے ہیں ہم
زہراب ہے کہ آبِ بقا۔ جانتے نہیں

اے ناخدا! سفینہ ہے اپنا خدا کے ہاتھ
حق میں ہے یا خلاف ہوا۔ جانتے نہیں

وہ لوگ ہیں حقیقتِ ہستی سے بے خبر
جو ہر نفس کو بانگِ درا جانتے نہیں

یہ سنگ دل حسین بھی ہیں کتنے سادہ لوح
نامِ خلوص و مہر و وفا جانتے نہیں

واعظ ہمیں ہزار بُرا جانتا رہے
ہم تو کسی کو دل سے بُرا جانتے نہیں

ساقی کے آستانے پہ خَم ہے سرِ نیاز
اے شیخ! ہم نماز و دعا جانتے نہیں

تُم کو اگر یقین نہ آئے تو کیا علاج؟
ہم تو کسی کو تُم سے سوا جانتے نہیں

دانستہ کھائے جاتا ہے ہر منزل فریبِ راہ
شاید یہ نکتہ راہ نما جانتے نہیں

نہیں ملتا چمن میں اب ٹھکانہ
قفس ہی میں بناؤں آشیانہ

روشِ دُنیا کی ہے نامحرمانہ
سُناؤں مَیں کسے دل کا فسانہ؟

تغافُل کی کوئی حد۔ اے ستم گر؟
کہاں تک روز ہی تازہ بہانہ؟

وہ ہو صبحِ وطن یا شامِ غُربت
بہ ہر صورت ہے دل غم کا نشانہ

ہَوا کُنجِ قفَس کی کھا رہا ہُوں
چمن کیسا؟ کہاں کا آشیانہ؟

محبّت میں کہاں تک ضبط؟ اے دل!
خموشی ہی نہ بَن جائے فسانہ!

سِوا بُت خانہ و کعبہ سے بھی ہے
ہمیں پیرِ مغاں کا آستانہ

ترقّی کے ترانے ہیں لبوں پر
گیا عشق و محبّت کا زمانہ

زمیں سخت۔ آسماں ہے دُور منزل!
کہیں ملتا نہیں ہم کو ٹھکانہ

○

وہ گُل کھلانے لگیں گردشیں زمانے کی
رہی نہ شاخ بھی گُلشن میں آشیانے کی

وفا کا نام زمانے سے ہو گیا عنقا
بدل گئی ہے کچھ ایسی ہَوا زمانے کی

ہر ایک گُل ہے گُلستاں میں چاک پیراہن
ہُوئی نہ بات جو صرصر سے وہ صبا نے کی

حقیقت اِتنی ہے۔ مِلتے ہی جُھک گئی وہ نظر
ہر ایک لب پہ ہے سُرخی اب اِس فسانے کی

کبھی تو بھُول کے یاربّ اِدھر وہ آجائیں
کبھی تو جاگ اُٹھے قسمت غریب خانے کی

چراغ دَیر و حرَم کے ہیں مہر و مودّت سے
ضیا فروش ہے محفل شراب خانے کی

قفَس میں دل غم و رنج و الم سے ہے آزاد
چمن کی فکر نہ کچھ سوچ آشیانے کی

ہمیشہ محو رہا خوابِ حُور میں اے شیخ!
کبھی نہ سُوجھی تجھے بندۂ خدا! نیکی

خُودی کے فیض سے خُود ہی حرَم ہُوں اے غزلؔ!
نہیں جبیں کو ضرورت اب آستانے کی

وجۂ صد اضطراب ہو کے رہی
اُن کی الفت عذاب ہو کے رہی

چشمِ ساقی کی مستیاں - توبہ!
ایک دُنیا خراب ہو کے رہی

اُن کا جلوہ نقاب میں تو نہ تھا
میری ہستی نقاب ہو کے رہی

کھیل سمجھے تھے عشق کو ہم تو
اپنی مٹی خراب ہو کے رہی

لڑ گئی جب کسی سے اپنی نظر
موجِ صہبائے ناب ہو کے رہی

پسِ پردہ بھی اُن کے رُخ کی ضیا
مہر و مہ کا جواب ہو کے رہی

جس پہ نازاں تھا شیخ وہ تقدیس
غرقِ جامِ شراب ہو کے رہی

ٹل گیا کل پہ وعدۂ فردا
یہ حقیقت بھی خواب ہو کے رہی

فیضِ مشقِ سخن سے اے نزہل!
ہر غزل انتخاب ہو کے رہی

غم نیا۔ رنج نیا۔ درد نیا دیتا ہے
عشق کو حُسن وفا کا یہ صِلا دیتا ہے

آتشِ شوق کو جب ہجر ہَوا دیتا ہے
قلب کی راکھ کو اکسیر بَنا دیتا ہے

ہوش اُڑ جائیں تو دامن کی ہَوا دیتا ہے
ساقئ بزم پھر آنکھوں سے پلا دیتا ہے

بات مطلب کی جب آتی ہے تو وُہ حیلہ طراز
رُخ بدل کر اسے باتوں میں اُڑا دیتا ہے

لب تک آتی ہے شکایت بھی دعا بَن بَن کر
کون الفت کو یہ آئین سکھا دیتا ہے؟

مے کدہ بھی ہے وہ مکتب کہ جہاں پیرِ مغاں
مے سے پتھر کو بھی انسان بَنا دیتا ہے

درد اُٹھ اُٹھ کے بَنا دیتا ہے دَم پر جس وقت
ضبط رہ رہ کے مجھے درسِ وفا دیتا ہے

ہاتھ پھیلانے کی پھر اُس کو ضرورت کیا ہو؟
جس کو اللہ ضرورت سے سَوا دیتا ہے

وعدۂ کوثر و فردوس تو برحق۔ نِرمل!
کیوں اُڑائیں نہ یہاں بھی جو خدا دیتا ہے؟

جوانی میں بھی تو خلوت گزیں ہے
یہ وقتِ زُہد اے زاہد! نہیں ہے

نشاطِ دہر کی حسرت نہیں ہے
ترا غم کیا مسرّت آفریں ہے!

کسی کا سنگِ در، میری جبیں ہے
سوا اِس کے عبادت کچھ نہیں ہے

بنا ڈالا اُسے بُت۔ جس کو تاکا
نگاہِ عشق بھی سحر آفریں ہے

ضرورت کیا قسم کھانے کی تم کو؟
تمھارے قول کا ہم کو یقیں ہے

یہ کس گُل پیرہن کی یاد آئی!
ہری دُنیائے دل خُلدِ بریں ہے

بچا رکھا ہے جس کو ہر نظر سے
وہ دل بھی کیا ترے قابل نہیں ہے؟

تصدّق کر دئے ہم نے دل وجاں
مگر اب بھی کوئی چیں بر جبیں ہے

جسے جنّت نشاں کہتے ہیں نرمل!
مرے ہندوستاں کی سر زمیں ہے

○

کافر ہے۔ اب بھی مے سے جسے اجتناب ہے
سبزہ ہے۔ آبِ جُو ہے۔ شبِ ماہ تاب ہے

فطرت تمام آج غریقِ شراب ہے
واعظ! تُو فصلِ گُل میں بھی محوِ کتاب ہے؟

لائے کہاں سے دیدۂ معنی نگر کوئی؟
پردوں میں بھی وہ حُسنِ ازل بے نقاب ہے

صہبا کا احترام ہے لازم جنابِ شیخ!
یہ غنچہ ہائے خُلد کا پُر کیف خواب ہے

اُٹھ اور پی۔ ابھی سے ریاضت کی دُھن ہی کیوں؟
زاہد! ابھی تو خیر سے دَورِ شباب ہے

اے برہمن! اب اپنے بھی ہاتھوں سے کام لے
یہ گنگا جَل۔ یہ جام۔ یہ مے۔ یہ گلاب ہے

کیوں جل رہے ہیں مے کے چراغ آج ہر طرف؟
شاید امامِ مے کدے میں باریاب ہے

موسم کا بھی لحاظ کچھ اے ساقیٔ جمیل!
موجِ ہوا میں مستیٔ موجِ شراب ہے

نزمل! غمِ زمانہ کی پروا نہیں ہمیں،
جب تک ہمارے جام میں صہبائے ناب ہے

۴ شعر

تعبیر کیا شیخ نے آنکھوں کی خطا سے
پہنچے سرِ کوثر جو ہم اِک لغزشِ پا سے

روشن ہوں اگر آنکھیں۔ رنگین اگر دل ہو
ہر ذرّہ مہِ انور۔ ہر خار گُلستاں ہے

صاف جھُوٹے تھے حُسن کے پیماں
عشق نے پھر بھی اعتبار کیا

اُنھیں شیخ نے بھی لگایا نہ منہ
جو ساقی سے آنکھیں چُرا کر چلے

نظم

یا سرد ہو قندیلِ صنم خانہ الٰہی!
یا شمعِ حرم کو بھی کچھُ ایسی ہی ضیا دے

گیان چند منصور

نغمۂ حقیقت

میری قدرت کا اک کرشمہ ہے
ورنہ عالم فقط تماشا ہے

ماہ و انجم میں روشنی میری — گل و غنچہ میں تازگی میری
میرے نغمے ہیں آبشاروں میں — میرے جلوے ہیں لالہ زاروں میں
کوہ و صحرا بھی میرے ذرّے ہیں — بحر و دریا بھی میرے قطرے ہیں
فرش سے عرش تک ظہور مرا — حسن و رنگ و جمال و نور مرا
خاک و آب آتش و ہوا مجھ سے — وقت و ظرف و خلا و لا مجھ سے
ابتدا کی بھی ابتدا ہوں میں — انتہا کی بھی انتہا ہوں میں
اپنی ہستی میں آپ قائم ہوں — میں ہی علم و سرورِ دائم ہوں
میں ہوں وامق بھی اور عذرا بھی — قیس بھی میں ہوں۔ اور لیلا بھی

آخر اس دہر کی بنا کیا ہے؟
میں ہی میں ہوں۔ یہ ماسوا کیا ہے؟

تیرے بغیر!

رُوح فرسا ہے گلستاں کی فضا تیرے بغیر!
کم نہیں صرصر سے یہ بادِ صبا تیرے بغیر!
غنچہ و گل ہیں۔ مگر طوفانِ رنگ و بو نہیں
دل شکن ہے سرو و سبزہ کی ادا تیرے بغیر!
برق ساماں ہے سراسر ابرِ گوہر بار بھی
تیر برساتی ہے کیف آور ہوا تیرے بغیر!
جلوۂ شمس و قمر میں دِل کشی باقی نہیں،
بے کشش ہے منظرِ صبح و مسا تیرے بغیر!
عالمِ امکاں مری نظروں میں ہے تاریک تر
ہو گئی کافور آنکھوں کی ضیا تیرے بغیر!
ہر نفس چلتی ہوئی تلوار سے بھی ہے سوا
جانِ زار آفات میں ہے مبتلا تیرے بغیر!
آ بھی جا بہرِ خدا۔ اے مدعائے زندگی!
ہو چلی ہے زندگی بے مدعا تیرے بغیر!

نامرادِ عشق

(۱)

اب کے بھی موسمِ گُل تر بے اثر گیا
اب کے بھی بُو و رنگ کا طوفاں اُتر گیا
اب کے بھی وعدہ کر کے وہ ظالم مُکر گیا
اب کے بھی تنگ آ کے دلِ زار مر گیا
اب کے بھی انتظار میں ساون گزر گیا

(۲)

اِس مرتبہ بھی خُون رُلاتی رہی گھٹا
اِس مرتبہ بھی خاک اُڑاتی رہی ہَوا
اِس مرتبہ بھی آیا نہ وہ دشمنِ وفا
اِس مرتبہ بھی دِل میں رہا دل کا حوصلا
اب کے بھی انتظار میں ساون گزر گیا

(۳)

اِس دھیان میں وہ آتے ہی ہوں گے یہیں کہیں
بھولے سے آنکھ ایک بھی پل تو لگی نہیں
اِس مرتبہ بھی راہ میں نظریں بچھی رہیں
اب کے بھی انتظار کی کڑیاں بہت سہیں
اب کے بھی انتظار میں ساون گزر گیا

کاش! ایسے میں تم بھی آجاتے

بجلیاں ناچ اُٹھیں گھٹاؤں میں
مستیاں آ گئیں ہواؤں میں
ہے خُوشی ہی خُوشی فضاؤں میں
کاش! ایسے میں تم بھی آجاتے

دیدنی ہے چمن کی رعنائی
سبزہ بھی لے رہا ہے انگڑائی
غنچہ و گُل پہ پھر بہار آئی
کاش! ایسے میں تم بھی آجاتے

رُخِ انور مجھے دکھا جاتے
پیاس دیدار کی بُجھا جاتے
ہری دُنیائے دل پہ چھا جاتے
کاش! ایسے میں تم بھی آجاتے

ساون کی بہار

(اُردو ماہیا)

ساون کی بہار آئی
سرمست ہوائیں ہیں
پُرکیف گھٹائیں ہیں

موسم کا کرشمہ ہے
جنگل بھی لہک اُٹھے
گُلشن بھی مہک اُٹھے

ہر باغ کے سائے میں
جھولوں کی بہاریں ہیں
پریوں کی قطاریں ہیں

ساماں کشش کے ہیں
فطرت کی اداؤں میں
ہر سمت فضاؤں میں

جب آم کی ٹہنی سے
کوئل کوک اُٹھتی ہے
دل میں ہوک اُٹھتی ہے

ساقی!

دلِ تشنہ کو نہیں ضبط کی تاب ۔ اے ساقی!
دَم لبوں پر ہے ۔ بہا جُوئے شراب اے ساقی!
چھا رہے ہیں مری نظروں پہ حجاب ۔ اے ساقی!
اک چھلکتا ہُوا جامِ مئے ناب ۔ اے ساقی!
غمِ دَوراں سے ہُوا جاتا ہے جینا دوبھر
ہاں ۔ مِلا پھُول میں تھوڑا سا گلاب ۔ اے ساقی!
دلِ بے زار ترستا ہے ہَوا کھانے کو
اب تنفّس بھی ہے زندانِ عذاب ۔ اے ساقی!
اِس کا چارہ نہیں کچھ بھی تری شفقت کے سِوا
قہر ہے گردشِ دَوراں کا عذاب ۔ اے ساقی!

بجلیاں کرنے لگیں خرمنِ توبہ کا طواف
جھُوم کر اُٹھا ہے مغرب سے سحاب اے ساقی!
رنگ و نکہت کا یہ طُوفان ۔ یہ موسم ۔ یہ فضا
اب اُٹھا دے رُخِ زیبا سے نقاب اے ساقی!
صحنِ مے خانہ پہ طاری ہے خموشی کیسی؟
کہیں شیشہ ہے نہ ساغر نہ شراب اے ساقی!
اِس کی بھی آنکھ سی کھُل جائے تری رحمت سے
شیخ پر بند ہے کیوں راہِ صواب اے ساقی!
پھر بھی ہو جائے فقط ایک نظر بہرِ خدا
محتسِب کو نہیں شایانِ خطاب اے ساقی!
حرف آئے نہ تری شانِ کریمی پہ کہیں
چھوڑ دے بُخل ۔ اُٹھا جامِ شراب اے ساقی!
منہ صُراحی کا لگا دے مرے منہ سے اُٹھ کر
دلِ تشنہ کو نہیں ضبط کی تاب ۔ اے ساقی!

نعرۂ مستانہ

توفیق دے اللہ تو ہر صبح و مسا پی
مے تلخیِ دوراں کی دوا ہوتی ہے ۔ پا پی!
تاریکیِ ماحول کو خاطر میں نہ لا ۔ پی
قندیلِ مئے ناب جلا ۔ جام اُٹھا ۔ پی
مہر و مہ و انجم کی دل افروز ضیا پی
غنچوں کا ۔ گلوں کا عرقِ روح فزا پی
وہ دیکھ ۔ اُٹھی جھوم کے گھنگھور گھٹا ۔ پی
اُٹھ ۔ دیر نہ کر ۔ ہاتھ بڑھا ۔ جام اُٹھا ۔ پی

یہ عالمِ سرمست ۔ یہ پُر کیف ہوائیں
کچھ ہوش اگر ہے تو مئے ہوش ربا پی
مے خانۂ فطرت کی ہر اک شے ہے بلانوش
موسم کے اشارے کو سمجھ ۔ بہرِ خدا پی
کم بخت جوانی کی ہے توہین یہ توبہ
اندیشۂ اوہام سے دامن کو چھڑا ۔ پی
معلوم ہے فردوس کے وعدوں کی حقیقت
یہ صحنِ خرابات ہے فردوس نما ۔ پی
جنّت میں بھی ترسے گا تو قرآں کی رضا کو
اے زاہدِ نا فہم! یہیں آبِ بقا پی
ہٹ دھرمی کو موجِ مئے گُل گوں میں بہا دے
اے برہمن! اِس رقصِ بہاراں میں ذرا پی
ہم پینے سے مُنکر تو نہیں ۔ ہم بھی پئیں گے
تُو پہلے خود اے ساقیِ مستانہ ادا! پی

جوشِ عمل

(۱)

زمیں پر نئی جنّت بسا رہے ہیں ہم
ترانے امن و محبّت کے گا رہے ہیں ہم
جہاں کو نئی راہیں دکھا رہے ہیں ہم
نظامِ کہنہ کی ہستی مٹا رہے ہیں ہم
نئی حیات زمانے میں لا رہے ہیں ہم

(۲)

ہمارے دل میں ہر اک کے لئے محبّت ہے
ہمارا دین ہی انسانیت کی خدمت ہے
کدورت اور تعصّب سے ہم کو نفرت ہے
جو کہہ رہے ہیں وہ کر کے دکھا رہے ہیں ہم
نئی حیات زمانے میں لا رہے ہیں ہم

(۳)

نشان و نامِ جہالت کا ہم مٹا دیں گے
ضیائے علم سے ہر دل کو جگمگا دیں گے
چراغِ کفر کو پھونکوں سے ہم بجھا دیں گے
کچھ ایسی شمعِ حقیقت جلا رہے ہیں ہم
نئی حیات زمانے میں لا رہے ہیں ہم

عہد نامہ

قسم ہے اے وطن! مجھ کو ترے فردوس زاروں کی
قسم ہے رُوح پرور۔ جاں فزا۔ دل کش بہاروں کی
قسم مستی کی۔ جو بہتی ہے تیرے جوئباروں میں
قسم تانوں کی۔ جو اُڑتی ہیں تیرے آبشاروں میں
قسم ہے تیرے میدانوں کی تیرے سبزہ زاروں کی
قسم ہے تیرے دریاؤں کی۔ تیرے کوہساروں کی
قسم تیری گھٹاؤں کی۔ ہواؤں کی۔ فضاؤں کی
قسم فطرت کی رنگیں۔ پُرکشش۔ رعنا اداؤں کی
قسم ہے دامنِ کوہِ ہمالہ کے نظاروں کی
قسم ہے رودِ گنگا کے حیات افزا کناروں کی
قسم بحرِ رواں کی۔ وادیٔ کشمیر کی مجھ کو
قسم اِس کوثر و تسنیم۔ اِس اکسیر کی مجھ کو
ترے ایک ایک منظر پر تصدّق ہیں دل و جاں بھی
تری اِک اِک ادا پر غش ہیں میرے دین و ایماں بھی

رباعی

جُھکے ہم پائے ساقی پر تو اُس کو مہرباں پایا
سکھایا شیشۂ مے کو نیازِ مے کشی ہم نے

پُورن سنگھ ہنر

اعجازِ کرم

اعجازِ کرم آج دکھا دے۔ ساقی!
زاہد کو بھی سرمست بنا دے۔ ساقی!
دریائے مئے ناب بہا دے۔ ساقی!
نظروں کی شراب بھی پلا دے۔ ساقی!

تقاضائے فطرت

پیغامِ جنوں لائی ہے ساون کی ہوا
جامِ مئے سرجوش ہے یہ پہلی گھٹا
نکھرا ہے عجب شان سے فطرت کا جمال
ساقی! تجھے کیا سوچ ہے؟ اُٹھ۔ جام اُٹھا

طوفانِ بہار

دیتی ہے صبا کیفِ مسرت کا پیام
ہر دیدۂ سرمست گلستاں ہے تمام
یہ عالمِ سرشار۔ یہ طوفانِ بہار
ساقی! فقط اک جام۔ چھلکتا ہُوا جام

علاجِ غم

طاری ہیں مرے دل پہ غم و رنج و ملال
ہر چال زمانے کی ہے اُلٹی ہی چال
لا بادۂ گُل رنگ کا جام۔ اے ساقی!
روشن ہے مری آنکھ پہ ہستی کا مآل

چارۂ مصائب

مسموم ہے تاریک فضا۔ اے ساقی!
کافور ہے راحت کی ضیا۔ اے ساقی!
اک جامِ مئے ہوش ربا دے مجھ کو
چھٹ جائے مصائب کی گھٹا۔ اے ساقی!

غمِ دوراں

کیا حشر ادا ہے غمِ دوراں کا عتاب
ناقابلِ برداشت ہے اب قہر و عذاب
اے مطربِ رعنا! کوئی حافظؔ کی غزل
اے پیرِ مغاں! ساغرِ صہبائے ناب

خود شناسی

ہر وقت مہ و مہر پہ ہے تیری نظر
آوارہ نہ ہو عرش پہ۔ اے خاک بہ سر!
تُو اپنی حقیقت کو نہ بھول۔ اے ناداں!
لازم ہے کہ پہلے ہو تجھے اپنی خبر

لمحۂ فکریہ

پرچمِ مہ و انجم پہ اُڑانے والے!
خورشید پہ دھاک اپنی بٹھانے والے!
سوچا بھی کبھی تُو نے کہ تو خود کیا ہے؟
افلاک کو خاطر میں نہ لانے والے!

تُو ہی تُو

پھولوں میں فسُوں کار نزاکت تیری
تاروں میں ضیا بار مسرّت تیری
کعبہ ہو۔ کلیسا ہو۔ صنم خانہ ہو،
ہر گھر میں پُر اسرار عبادت تیری

مَیں ہی مَیں

ہر ذرّہ مِرے نُور سے خورشید لقا
ہر پھُول مِرے حُسن سے فردوس نما
پنہاں مِرے سائے میں صد انوارِ حیات
رشکِ دمِ عیسےٰ مِرے دامن کی ہَوا !

قطعہ

مکاں یا لامکاں کچھ بھی نہیں ہے
جہاں ہم ہیں وہاں کچھ بھی نہیں ہے

منوہر سہائے انور

استقلال

ڈھا رہے ہیں وہ قہر و ظلم و ستم
دل ہے وقفِ ملال و رنج و الم
ہر بَلا کی ہنسی اُڑاتا ہُوں
کوئی دیکھے تو یہ مِرا دم خم

لذّتِ غم

گردشِ دہر کا ملال نہیں
اب سکوں کا کوئی سوال نہیں
تیرے غم نے کچھ ایسی لذّت دی
دل کو راحت کا اب خیال نہیں

دُنیائے عشق

رنج اُٹھاتا ہُوں ظُلم سہتا ہُوں
موجِ دریائے غم میں بہتا ہُوں
ہر خُوشی مجھ سے دُور رہتی ہے
ہر خُوشی سے مَیں دُور رہتا ہُوں

؟

کیسی نظریں چُرا رہے ہو تُم ؟
دُور تر ہوتے جا رہے ہو تُم
بے رُخی کا ہے جو یہی عالَم
کیوں مِرے دل پہ چھا رہے ہو تُم ؟

عالمِ انتظار

فطرتِ سحر کار کا عالم
ہر طرف ہے بہار کا عالم
میری آنکھیں بنی ہیں فرشِ راہ
اُف! ترے انتظار کا عالم

تنہائی

یہ شبِ ماہ - یہ لبِ دریا
کیف برسا رہی ہے موجِ ہوا
آفتِ جاں ہے میری تنہائی
دل پہ بجلی گرا رہی ہے فضا

کسی کے بغیر

ڈل کی دل کش جمیل رعنائی
ہو سکے کیا علاجِ تنہائی؟
خُلدِ کشمیر کی بھی آب و ہوا
کب کسی کے بغیر راس آئی؟

ایک تنقید

ساحلِ گنگ - شامِ رُوح نواز
نغمۂ موجِ بادِ کیف انداز
تبصرہ کر رہا ہُوں عشق پہ مَیں
دل کش انجام - جاں فزا آغاز

بہار

دشت و گُلشن پہ چھا رہی ہے بہار
ہر طرف مُسکرا رہی ہے بہار
لیکن اک گُل بدن کی فُرقت میں
خُون مجھ کو رُلا رہی ہے بہار

حالِ دل

غم شب و روز کھا رہا ہُوں مَیں
عشق میں مِٹتا جا رہا ہُوں مَیں
ہم نشیں! میرے دل کا حال نہ پُوچھ
خُونِ دل میں نہا رہا ہُوں مَیں

گیت

فضا میں گُونجتے پھرتے ہیں اس کے سیکڑوں نغمے
مگر سازِ محبّت کی صدا! کچھ بھی نہیں ہوتی

رگھبیر داس ساحر

یہ کِس نے تان اُڑائی؟

یہ کِس نے تان اُڑائی؟
مُرلی کی مدھ ماتی لَے نے
میری سُدھ بِسرائی
یہ کِس نے تان اُڑائی؟

بُجھتی ہے نہ بھڑکتی ہے اب
کیسی آگ لگائی؟
یہ کِس نے تان اُڑائی؟

من کو چین نہیں پل چھن بھی
سجنی! رام دُہائی!
یہ کِس نے تان اُڑائی؟

ساجن! تُو نے کیوں مُکھ موڑا؟

ساجن! تُو نے کیوں مُکھ موڑا؟
پریت لگا کر، پریم بڑھا کر
کیوں میرا دل توڑا؟
ساجن! تُو نے کیوں مُکھ موڑا؟

کِس دُوتی کی چال میں آ کر
مجھ کو راہ میں چھوڑا؟
ساجن! تُو نے کیوں مُکھ موڑا؟

میرے پیار کو سُوپن بنا کر
کِس سے ناطہ جوڑا؟
ساجن! تُو نے کیوں مُکھ موڑا؟

سکھی! اب جیا دھرت نہیں دھیر

سکھی! اب جیا دھرت نہیں دھیر
نِش دن من رہتا ہے ویاکُل
نین بہائیں نیر
سکھی! اب جیا دھرت نہیں دھیر

شیتل وایُو کے جھونکے بھی
ہیں زہریلے تیر
سکھی! اب جیا دھرت نہیں دھیر

رہتے رہتے اب رگ رگ میں
گھر کر بیٹھی پیر
سکھی! اب جیا دھرت نہیں دھیر

پریتم! یاد بھی کیوں آتا ہے؟

پریتم! یاد بھی کیوں آتا ہے؟
جب تُو نینوں کو درشن سے
نِش دن ترساتا ہے
پریتم! یاد بھی کیوں آتا ہے؟

وِرہ اگن میں جل جل کر من
کِس کا کل پاتا ہے؟
پریتم! یاد بھی کیوں آتا ہے؟

تیری یاد آجاتی ہے جب
دَم نِکلا جاتا ہے
پریتم! یاد بھی کیوں آتا ہے؟

سجنی! من کو کیا سمجھاؤں؟

سجنی! من کو کیا سمجھاؤں؟
اک بے مکھ پر یہ مرتا ہے
میں کب تک دکھ پاؤں؟
سجنی! من کو کیا سمجھاؤں؟

اپنی دھن میں پاگل ہے یہ
کس بدھ راہ پہ لاؤں؟
سجنی! من کو کیا سمجھاؤں؟

اب تو یہ آتی ہے جی میں
کچھ کھا کر سو جاؤں،
سجنی! من کو کیا سمجھاؤں؟

پردیسی ساجن! اب آجا

جن کی سدھ بسرا دیں ساجن
اُن کو تو ہے وِش سم ساون
ساون میں تو رُوپ دکھا جا
پردیسی ساجن! اب آجا

نیّا ڈُوب چلی جیون کی
ٹُوٹ رہی ہے آس اب من کی
میرے من کی آس بندھا جا
پردیسی ساجن! اب آجا

تن من دھن سب تیرے ارپن
ٹُوٹ نہ جائے پریم کا بندھن
پریم کی سوئی آگ جگا جا
پردیسی ساجن! اب آجا

ایک ہندی غزل

تُجھ بِن میرے نَین اُجیارے!
بِگڑے کارج کون سنوارے؟

آندھی - لہریں - باڑھیں دھارے ‏‏ حیرِن بنیّا - دُور کنارے
کب تک باٹ نہارُوں؟ آجا ‏‏ اب تو ڈُوب چلے ہیں تارے
پریم نگر کی رِیت ہے اُلٹی ‏‏ وہ جیتے جو بازی ہارے
اِک اِک سانس میں دُکھیا من پر ‏‏ چل جاتے ہیں سو سو آرے
وِرہ رَین کروٹ نہیں لیتی ‏‏ ایسے سوئے بھاگ ہمارے
سیس اُن چرنوں تک پہنچ گیا؟ ‏‏ دُور سے کہہ دیتے ہیں "جا رے"!
سپنے ہی میں رُوپ دکھاجا ‏‏ اور نہ اب ترسا - ہتیارے!
سانجھ سکارے دھیان ہی تیرا ‏‏ دھیان ہی تیرا سانجھ سکارے

ہاتھ سکیڑے جب سے نِرمل!
سوتے ہیں ہم پاؤں پسارے

سوامی نِرمل جی مہاراج پرم ہنس
کے
دُوسرے غیر فانی شاہ کار

۱- "صہبائے ناب" ———— پہلا مجموعۂ کلام - اُردُو
۲- "آبِ گنگ" ———— دُوسرا مجموعۂ کلام - اُردُو
۳- "کوثر و تسنیم" ———— تیسرا مجموعۂ کلام - اُردُو
۴- "رتن مالا" ———— انتخاب کلام - اُردُو
۵- "آبِ حیات" ——— زیرِ ترتیب ——— مضامین - اُردُو
۶- "کلّیاتِ نِرمل" ——— زیرِ ترتیب ——— کلام - اُردُو
۷- "وائن ڈِیوائن" ——— "صہبائے ناب" کا سلیس انگریزی ترجمہ
مع تعارف و دیباچہ از قلم جناب امرچند قیس
۸- "نِرمل دِوّیہ امرت" ——— "صہبائے ناب" - اصل اور ترجمہ ہندی
۹- "نِرمل وچن امرت" ——— خیالاتِ عالیہ - ہندی

"ویدانت نکیتن" - دی مال - امرتسر

"کلیاتِ نرمل"

کلیاتِ نرمل جو تقدّس مآب حضرتِ نرمل کے بصیرت افروز۔ دل آویز اور رُوح پرور کلام کے مختلف مجموعوں پر مشتمل ہے۔ عنقریب طبع ہو کر اہلِ نظر کے سامنے جلوہ گر ہوگا ۔

کلیات کی ہر غزل تاثیر معمور ہے۔ ہر نظم سحر طراز۔ ہر رباعی جامع ہے اور ہر قطعہ کشش سامان۔ ہر گیت عشق و محبّت کے بلند و پاکیزہ جذبات کا حامل ہے۔ فلسفہ اور تصوّف کے دقیق اور خشک مسائل کی عظمت کو سلیس اور رنگین اندازِ بیاں نے چار چاند لگا دیے ہیں ۔

گرد پوش جاذبِ نظر۔ جلد اعلےٰ۔ کاغذ دبیز۔ کتابت دِل نواز۔ طباعت خوش ادا ۔

"ویدانت نکیتن" دی مال۔ امرت سر

"آبِ حیات"

تقدّس مآب سوامی نرمل جی مہاراج پرم ہنس
کے
مختصر مضامین کا رُوح پرور مجموعہ

جو رُوحانی۔ اخلاقی۔ مجلسی اور ادبی شاہ کاروں پر مشتمل ہے عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر طالبانِ حقیقت اور شائقانِ ادب کی رُوحانی تسکین کا سامان بہم پہنچائے گا ۔

ہر مضمون حقائق و معارف کی ایک وسیع دُنیا ہے۔ ہر فقرے کے کُوزے میں معانی کا بحرِ ذخار موج زن ہے ۔

"آبِ حیات" نثری شاعری کا نادر نمونہ ہے جس کی زبان کوثر میں دُھلی ہوئی ہے ۔

کتابت دل کش۔ طباعت بصیرت فروز۔ کاغذ اعلےٰ۔ جلد خوش نما ۔

"ویدانت نکیتن" دی مال امرت سر

"زمزم"

تقدّس مآب حضرتِ نزمل کا مذاقِ شعری بہت سلجھا ہوا ہے۔ اُن کی طبیعت میں بھی رنگینی ہے اور مزاج میں بھی شگفتگی۔ اُن کے دل میں سوز ہے اور زبان میں لطافت۔ مطالعہ اور مشقِ سخن نے ان کے فطری ذوقِ سلیم کو اور بھی نکھار دیا ہے۔

جنابِ نزمل کے کلام بلاغت نظام کے تین مجموعے مختصر سے وقفے میں شائع ہو کر اہلِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ دوسری زبانوں میں بھی اُن کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ اب چوتھا مجموعۂ کلام "زمزم" شائع ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا بھی شایانِ شان استقبال ہوگا۔ "زمزم" کا معیارِ فصاحت و بلاغت بھی بلند ہے۔ گم راہ شاعری کے اس دور میں قواعدِ زباں اور اصولِ فن کی پابندی قابلِ ستائش ہے۔

نزمل صاحب مختلف اصنافِ سخن پر حاوی ہیں۔ "زمزم" میں غزل، نظم، رباعی، قطعہ، گیت سب کچھ موجود ہے جو مختلف طبیعتوں کے لئے اطمینانِ قلب و روح کا سامان ہے۔ اس لئے کہ مختلف اصنافِ سخن مختلف مضامین کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس تنوّع سے گُل ہائے رنگ رنگ کا یہ گُلدستہ ہر آنکھ کے لئے دعوتِ نظارہ ہے۔

۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

نسیم نور محلی